عزازیل

(ناول)

یعقوب یاور

★

یہ کتاب

اترپردیش اردو اکادمی

کے

مالی اشتراک سے شائع ہوئی ہے

★

اس کتاب کے مندرجات سے

اترپردیش اردو اکادمی

کا

متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

عزازیل

(ناول)

یعقوب یاور

Azazeel (Novel)

By Yaqoob Yawar Rs.200

ایڈیشن ۲۰۰۱ء

تعداد اشاعت چھ سو

ناشر مصنف

کمپوزنگ زرنگار کمپیوٹر کمپوزنگ سینٹر۔ باگڑ بلی، مدنپورہ

بنارس۔ فون: ۳۹۳۱۳۱۔ ۳۹۲۳۲۶

سرورق اسکرین پلے۔ مالتی باغ، بنارس۔ ۳۹۳۴۵۴

طباعت بھارت آفسیٹ، گلی قاسم جان، دہلی ۶

قیمت دوسو روپے

تقسیم کار

۱۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔

۲۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی عزیز الدین وکیل، لال کنواں، دہلی۔

۳۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

۴۔ انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، راوز ایونیو، نئی دہلی۔

۵۔ موڈرن پبلشنگ ہاؤس، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی۔

۶۔ بھوپال بک ہاؤس، بدھوارہ، بھوپال۔

اپنے شفیق دوست اور کرم فرما

ڈاکٹر ناظم جعفری

کے نام

"یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر"

جبرئیل

کھو دیے انکار سے تونے مقامات بلند
چشم یزداں میں فرشتوں کی رھی کیا آبرو

ابلیس

ھے مری جرأت سے مشت خاک میں ذوق نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
دیکھتا ھے تو فقط ساحل سے رزم خیرو شر
کون طوفاں کے تھپیڑے کھا رھا ھے میں که تو
خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم به یم، دریا به دریا، جو به جو
گر کبھی خلوت میسر ھو تو پوچھ اللہ سے
قصه آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لھو
میں کھٹکتا ھوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہھو، اللہھو، اللہھو

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ

ترتیب

پیش نوشت

(۱)

سب سے پہلے میں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پیش نظر تحریر ایک ادبی ناول ہے جہاں مجاز ہمیشہ حقیقت پر سبقت رکھتا ہے۔ اسے مذہبی، تاریخی یا تحقیقی نقطہ نظر سے نہیں پڑھا جانا چاہیے۔ اس میں بیان کردہ واقعات تخیل کی رہ نمائی میں وجود پذیر ہوئے ہیں۔ ہماری دنیا کے معلوم یا نا معلوم حقائق سے ان کا کوئی علاقہ نہیں۔ پھر بھی اگر کسی کو ایسی مطابقت کا احساس ہو تو یہ محض اتفاق ہوگا۔

جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، یہ ناول **عزازیل** کے سوانح حیات پر مبنی ہے۔ ہر باشعور قاری جانتا ہے کہ اس تعلق سے ہمارے پاس معتبر مواد برائے نام ہے۔ تھوڑا بہت جو مواد ملتا ہے وہ بائبل (اناجیل وتوریت کا مجموعہ) اور قرآن کریم میں ہے، اور کسی ناول تخلیق کے لیے یہ مواد بہر حال ناکافی ہے۔ ادب کی دنیا میں **عزازیل** کا کردار پہلے بھی کچھ لکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا رہا ہے۔ ملٹن اور اقبال کے نام فوری طور سے ذہن میں آتے ہیں۔ جنھوں نے اس منفی کردار کے مثبت، مفید اور کارآمد پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کوشش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ناول کے ابتدائیہ اور اختتامیہ کے درمیان جس قصے کو قید کیا گیا ہے وہ دراصل اہرمن کے **عزازیل** سے ابلیس بننے تک کے سفر کی روداد ہے۔ معلوم کا سفر جہاں سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے ہی یہ قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ سجدۂ آدم سے انکار کا واقعہ خیر و شر کی کشمکش کی بنیاد والے تمام سامی عقاید میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ عقیدے اور جذبات کی روشنی میں مذہبی جوش اور جنون دونوں کے تحت اس واقعے کو دیکھنے اور سمجھنے کی ایک مستحکم روایت موجود ہے لیکن اس کا علمی پہلو ہمیشہ تشنہ رہا ہے۔ تشنگی کے اسی دباؤ نے مجھے ان واقعات کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھنے پر اکسایا۔

ایک نئی اور اجنبی دنیا کی تخلیق آسان نہ تھا۔ چنانچہ اس مشکل کام میں جن روایات نے میری معاونت کی میں نے بلا جھجک ان کا استعمال کیا ہے۔ میں نے ان تمام روایات سے استفادہ کیا ہے جو **عزازیل** کے تعلق سے مشہور ہیں۔ ان روایات کے صحیح یا غلط ہونے کی تصدیق میں نے ضروری نہیں سمجھی کہ میں پہلے ہی یہ یقین رکھتا ہوں کہ روایت روایت ہے اور اس کا کسی حقیقت سے تعلق محض اتفاق ہوتا ہے۔

معلم الملکوت مشعل بردارِ خداوند (Lucifer) اور مقرب خدا ہونے کے باوجود **عزازیل** نے خدائے کائنات کے حکم کے برخلاف خلیفۃ اللہ فی الارض (آدم) کو سجدہ کرنے سے

انکار کیوں کیا، اس کا جواب عزازیل کے مزاج، اس کے سابقہ کردار واعمال، اس کی خواہشات و مقصودات کے تناظر میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ میری کوشش بھی انھی اسباب کی بازیافت سے عبارت ہیں۔ جو انکار کا سبب بنے۔

(۲)

ناول کے لیے میں نے اس موضوع کا انتخاب کیوں کیا اور اس کی تحریک مجھے کہاں سے ملی ، حتمی طور سے یہ بتانا میرے لیے دشوار ہے۔ تاہم جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے پہلی بار مجھے اس کا خیال اس وقت آیا تھا جب تین چار سال پہلے ایک دن میں تلاوت قرآن پاک کے دوران سورۃ البقرۃ کی چونتیسویں آیت پر پہنچا جہاں آدم کو سجدہ کرنے سے ابلیس کے انکار کا ذکر پہلی بار آیا ہے۔

ترجمہ: ''اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو۔ تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان۔ اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں کا''۔
(ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

تفسیر۔ ''جب حضرت آدم کا خلیفہ ہونا مسلم ہو چکا تو فرشتوں کو اور ان کے ساتھ جنات کو حکم ہوا کہ حضرت آدم کی طرف سجدہ کریں اور ان کو قبلہ سجود بنائیں جیسا سلاطین اپنا اول ولی عہد مقرر کرتے ہیں۔ پھر ارکان دولت کو نذریں پیش کرنے کا حکم پیش کرتے ہیں تاکہ کسی کو سرتابی کی گنجائش نہ رہے چنانچہ سب نے سجدہ مذکور ادا کیا سوائے ابلیس کے کہ اصل سے جنات میں تھا اور ملائکہ کے ساتھ کمال اختلاط رکھتا تھا۔ اور سبب اس سرکشی کا یہ ہوا کہ جنات چند ہزار سال سے زمین پر متصرف تھے اور آسمان پر بھی آتے جاتے تھے۔ جب ان کا فساد اور خونریزی بڑھی تو ملائکہ نے بحکم الٰہی بعض کو قتل کیا اور بعض کو جنگل پہاڑ اور جزائر میں منتشر کردیا ابلیس ان میں بڑا عالم و عابد تھا۔ اس نے جنات کے ساتھ فساد سے اپنی بے لوثی ظاہر کی۔ فرشتوں کی سفارش سے یہ بچ گیا اور ان ہی میں رہنے لگا۔ اور اس طمع میں کہ تمام جنات کی جگہ اب صرف میں زمین متصرف بنایا جاؤں۔ عبادت میں بہت کوشش کرتا رہا۔

اور خلافت ارض کا خیال پکاتا رہا۔ جب حکم الٰہی حضرت آدم کی نسبت خلافت کا ظاہر ہوا تو ابلیس مایوس ہوا اور عبادت ریائی کے رائگاں جانے پر جوش حسد میں سب کچھ کیا اور ملعون ہوا“۔

(تفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمۃ)

ترجمہ اور تفسیر کے مطالعے کے بعد احساس ہوا تھا کہ اس واقعے میں ناول کے لیے امکانات موجود ہیں۔ شاید یہی وہ لمحہ تھا جب میں نے اس ناول کو لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد میں ان تمام کتب کا مطالعہ کرنے میں لگ گیا جو **عزازیل** یا اس دنیا سے پہلے کی دنیا کے بارے میں معلومات فراہم کرتی تھیں۔ اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی اس موضوع پر خاصا مواد ملا۔ ڈینکن (Erik von Deniken) نے تو اس دنیا کی تفصیلات کی تحقیق میں اپنی پوری عمر ہی صرف کر دی۔ میں نے اس کی تمام کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اب میرے پاس ناول کے لیے مطلوبہ مواد جمع ہو چکا تھا۔ اس کام میں مجھے پورے تین سال لگے۔ اس کے بعد میں نے قلم اٹھایا اور ایک مہینے میں یہ ناول لکھ ڈالا۔

اس انوکھے ناول کو لکھنے کے پیچھے جو خواہش کار فرما رہی وہ یہ تھی کہ میں شدت کے ساتھ اس حقیقت کو ابھار سکوں کہ نافرمانی اور بے راہ روی کو جب علم کی سرپرستی حاصل ہو جاتی ہے، جب علم اپنے فرائض منصبی سے پہلو تہی کر کے وقت کے فوری تقاضوں کی تکمیل میں لگ جاتا ہے، جب علم کا تعلق اخلاقیات سے منقطع ہو جاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ تباہی ہوتا ہے۔ ہم سب بھی علم کی ارزانی کے اس دور میں جی رہے ہیں جہاں راستی اور گمراہی میں کوئی معنوی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ اگر یہ ناول اپنے کسی قاری کو محض یہ احساس دلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو میں اسے اپنی کاوش کا سب سے قیمتی صلہ سمجھوں گا۔

(۳)

اس ناول کا مرکزی کردار **عزازیل** شر کا نمائندہ ہے لیکن اس کے اعمال کا احتساب اگر اسی بنیاد پر ہوا تو شاید مایوسی ہوگی۔ کیوں کہ وہ خدا کا مقرب اور پسندیدہ بندہ رہا ہے۔ دراصل شر کے پس پشت جو نفسیات کام کرتی ہے وہ بھی غیر فطری نہیں ہوتی۔ اس کے پیچھے بھی اسباب وعلل کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ بنی نوع انسان کے لیے ہمیشہ یہ سوال پریشان کن رہا ہے کہ جبر و قدر کے سائے میں پرورش پانے والا فرد اپنے اعمال نیک و بد کے لیے کس حد تک ذمہ دار ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کے کردار و افکار پر خارجی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان عوامل پر اسے کوئی اختیار بھی نہیں ہوتا۔ فرد اپنے لیے وقت، جگہ اور ماحول کے انتخاب میں آزاد نہیں ہے۔ یہ اس کی تقدیر ہے جو ان چیزوں کا انتخاب کرتی ہے۔ جو ماحول اسے ملتا ہے اس کا لازمی اثر اس کے افکار و اعمال پر پڑتا ہے۔ تمام زندگی اس کی فہم و دانش اور داخلی فکر پر یہی خارجی ماحول حاوی رہتا ہے۔ ساری زندگی

کی محنت کے باوجود وہ اپنے اندر بہت معمولی تبدیلیاں ہی کر پاتا ہے۔ وہ اپنی بنیاد سے جڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی عمر پوری ہوجاتی ہے۔ وہ جن اعمال وافعال کا مرتکب ہوتا ہے۔ ان کی ذمہ داری سے ان عوامل کو خارج نہیں کیا جاسکتا۔ انسان پر ہونے والا یہ جبر اسے معصوم ثابت کرتا ہے لیکن فکر کا زاویہ ذرا سا بدل جائے اور شعور کو مرکزی حیثیت دے دی جائے تو نتیجہ اس سے مختلف ہوگا۔ انسان خود ہی اپنے ہر عمل کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔

ہر فرد اپنے ہی معیار خیر وشر کا پابند ہوتا ہے۔ حالاں کہ خارجی جبر اسے یہ بات کہنے پر مجبور کرتا رہتا ہے کہ وہ کسی مخصوص عقیدے کے معیار خیر وشر کا پابند ہے۔ زبان کا یہ اعلان اکثر دل کی آواز نہیں ہوتا۔ ہر فرد کا معیار خیر وشر مختلف ہوتا ہے۔ اور جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے ہر شخص کا عقیدہ اس کی فکر، اس کے علم، اس کے کردار، اس کے ماحول اور خارجی عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ سارا سلسلہ اختیاری نہیں ہے۔ اس لیے کسی کا یہ قول درست لگتا ہے کہ ''انسان معصوم پیدا ہوتا اور معصوم ہی مرجاتا ہے''۔

(۴)

اس ناول کی تخلیق میں مجھے کئی دوستوں کا تعاون حاصل رہا ہے۔ مواد کی فراہمی کے سلسلے میں ڈاکٹر اراوتی، ریڈر شعبۂ تاریخ ہند قدیم، وسنت کالج برائے خواتین، راج گھاٹ، وارانسی عزیزان گرامی کبیر اجمل اور خالد جمال نے وقتاً فوقتاً مدد کی۔ محترم مولانا احمد حسن صاحب، محترم حنیف نقوی صاحب، برادرم سعید فریدی، غفران امجد، عبدالرحمن صاحبان سے اس موضوع پر مباحث کے دوران بہت سی باتوں کا انکشاف ہوا۔ مولانا (ڈاکٹر) ظفر احمد صدیقی، ریڈر، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ نے ناول کے مسودے کا از اول تا آخر مطالعہ کرکے مفید مشوروں سے نوازا۔ میں ان سب احباب کا تہ دل سے ممنون ہوں۔

یعقوب یاورؔ

بنارس
۲۲ر نومبر ۲۰۰۰ء

ابتدائیہ

(۱)

اس بات کا امکان بہر حال موجود ہے کہ قصہ گو آج جو قصہ آپ کو سنانے جا رہا ہے وہ آپ کا سنا ہوا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا کوئی قصہ آپ نے نہ سنا ہو۔ یہ قصہ آپ نے سنا ہو یا نہ سنا ہو، قصہ گو آپ کو یقین دلاتا ہے کہ بہر حال یہ قصہ آپ کے لیے ایک نیا اور خوش گوار تجربہ ہوگا۔ اس قصے کے کردار آپ کے جانے پہچانے بھی ہو سکتے ہیں اور اجنبی بھی۔ کبھی آپ کو یہ احساس بھی سکتا ہے کہ آپ خود اس قصے کے ایک متحرک کردار ہیں اور کبھی لگے گا کہ یہ ماضی بعید کے اتنے فاصلے سے ابھرا ہے جہاں قدم رکھنے میں تخیل بھی کانپ جائے۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کیوں کہ اس قصے کا تعلق جتنا گہرا ازل سے ہے اتنا ہی ابد سے بھی ہے۔ سچ پوچھیے تو یہ قصہ زمان و مکان سے حریت کا اعلان ہے۔ نہ یہ ماضی ہے، نہ حال اور نہ مستقبل۔ اور سوچیے تو یہ ماضی بھی ہے، حال بھی ہے اور مستقبل بھی۔ اسے بس علم اور معلوم کا ایک ادنیٰ کرشمہ جانیے جس پر رائے زنی کے مقابلے خاموش رہنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔

یہ قصہ ایک ایسی دنیا کا ہے جو تھی بھی اور نہیں بھی۔ جو ہے بھی اور نہیں بھی اور جس کے آئندہ ہونے کا امکان ہے اور نہیں بھی ہے۔

پھر ایک دشواری اور بھی ہے۔ اگر قصہ گو آپ کو اس بات کا یقین دلا بھی دے کہ ایسی دنیا تھی، ہے یا ہوگی تو بھی یہ بتانا مشکل ہوگا کہ اس دنیا کے ہونے کا تعلق کائنات کے کس کرے اور سیارے سے ہے۔ ممکن ہے یہ بات پوری طرح سے آپ کے قصہ گو کو ہی نہ معلوم ہو چنانچہ بہتر یہی ہے کہ خاموشی کو مشغل مصلحت بنایا جائے اور اس قصے کو سنا جائے۔

البتہ یہ بتانا آسان ہے کہ جس دنیا کا یہ قصہ ہے وہ ترقی یافتہ بھی تھی اور زوال آمادہ بھی۔ یہاں بدی کے ٹھاٹھیں مارتے خوفناک سمندر میں نیکی کی سبک اور نازک کشتیاں چلتی

تھیں۔ یہاں فہم و دانش کی کارفرمائی کے دوش بہ دوش حماقتوں کا دور دورہ بھی تھا۔ یہاں روشنی اتنی ارزاں تھی کہ اس دنیاے عظیم کا چپہ چپہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اور تاریکی کا وہ عالم تھا کہ ایک ہاتھ کو دوسرا ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ خیرہ نگاہیں اور اندھی آنکھیں یہاں بیک وقت موجود تھیں۔ یہاں امیدوں، خواہشوں اور تمناؤں کی سرسبز وادیاں بھی تھیں اور یاس و نامرادیوں کے خارزار بھی۔ اس دنیا میں حسن و جمال کی فراوانی تھی لیکن کریہہ المنظری بھی عام تھی۔

اس دنیائے تضادات کی ہر متضاد شے کے دونوں سرے اپنی انتہا پر تھے۔ اور جب ایسی انتہا پسندی مزاج کا حصہ بن جاتی ہے تو اعتدال و توازن کا سرا ہاتھ سے پھسل جاتا ہے۔ اور جب توازن مفقود ہو جائے تو ایسی دنیا اپنے وجود کے حق سے دست بردار ہونے لگتی ہے۔ جس دنیا کا یہ قصہ ہے، اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا۔ اس دنیا نے بھی انتہاؤں کے نشے میں مخمور و بے خود ہو کر اپنے وجود کو عدم کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔

وجود سے عدم کی جانب سفر کے دوران وقوع پذیر ہونے والے واقعات ایسے لرزہ خیز اور عبرتناک تھے کہ اس کی بازگوئی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی۔ قصہ گو نے اس کی ہمت کیسے کر لی، گفتگو کا یہ ایک علٰحدہ موضوع ہے۔

ہر انتہا کی ایک حد ہوتی ہے۔ جب متضاد چیزیں اپنی انتہا کی جانب آمادۂ سفر ہوں تو ایک ایسا مقام آتا ہے جہاں سے آگے کا منظر دھندلا دکھائی دینے لگتا ہے۔ ایسے میں مسافر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یا تو وہ اگلا قدم بڑھا کر تباہی اور بربادی کو گلے لگا لے یا واپس لوٹے۔ جس دور کا یہ قصہ ہے، وہ بھی اپنے عروج کی انتہا پر ہے۔ عروج کے تکبر کا نشہ جب آمادہ زوال ہونے کو تیار نہ ہو تو ظاہر ہے کہ تباہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ قصہ گو کا خیال ہے کہ ایسے ماحول کا پروردہ ہر فرد تکبر کی ہر علت اور غرور کی ہر برائی میں اس طرح مبتلا ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے آمادۂ زوال ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

(۲)

جس دنیا کا یہ قصہ ہے۔ وہاں متضاد چیزوں، متضاد مزاجوں اور متضاد خیالات کا بازار گرم تھا۔ لیکن یہاں کی ایک بات ایسی تھی جو تضاد کے اس شکنجے سے آزاد تھی۔ اس

دنیائے عظیم پر ایک ہی شخص کا حکم چلتا تھا۔ ساری دنیا کا اکائی تھی۔ یہاں مختلف سرحدوں کا کوئی تصور نہ تھا۔ حاکم واحد ہوگا تو مطلق العنانیت لازمی طور پر اس کی صفات عالیہ کا حصہ ہوگی۔ چنانچہ اس حاکم مطلق کا بھی کوئی شریک فیصلہ نہ تھا۔ سب اس کے غلام تھے اور حکم کے پابند۔ جب وہ خود بہتر سمجھتا تو کسی سے مشورہ کر لیتا۔ عدول حکمی اور نافرمانی کی سخت اور عبرت ناک سزائیں تھیں، جن میں سزائے موت سب سے آسان اور آرام دہ تھی۔ اس مملکت کا سب سے بڑا جرم یہی تھا۔ ورنہ یہاں کے گناہ اور ثواب کا معیار ہی جدا تھا۔ حاکم مطلق کی شخصیت پر اس عالم تضادات کا ہر عکس جمیل موجود تھا۔ اس کے کردار کی ترتیب میں بھی متضاد عناصر کارفرما تھے۔ وہ بیک وقت مہربان بھی تھا اور ظالم بھی۔ وہ سیاہ خاطر بھی تھا اور صاف ضمیر بھی۔ وہ صادق بھی تھا اور دروغ گو بھی۔ دلیری اور شجاعت اس کی صفت تھی تو بزدلی اس کا مزاج۔ وہ نیک بھی تھا اور برا بھی۔ وہ صاحب ایمان بھی تھا اور مرتکب کفر بھی۔ وہ خود کو پیرو یزداں بھی کہتا تھا اور غلام اہرمن بھی۔ وہ خدائی کا دعویدار بھی تھا اور خدا کی بندگی کا معترف بھی۔ اس کا جسم شیر جیسا تھا اور سر لومڑی جیسا۔ حاکم مطلق کے ان اوصاف عالیہ کا اظہار الگ الگ اوقات میں الگ الگ طریقوں سے ہوتا رہتا تھا۔ یہاں کے لوگ تضادات کے اتنے عادی ہو چکے تھے کہ انھیں اب ان کے متضاد ہونے کا احساس بھی نہیں رہ گیا تھا۔

(۳)

اس مملکت کے ایک خفیہ اور گمنام گوشے میں ایک شخص اور بھی رہتا تھا جو قادر مطلق ہونے کا مدعی تو نہ تھا لیکن اس کی قوت کا اعتراف سب کو تھا۔ اس شخص کے مزاج کی یکسوئی اور اس کے اعمال کی یکجہتی واضح طور پر احساس دلاتی تھی کہ اس کی شخصیت پر اس عالم تضادات کا اثر یا تو پڑا ہی نہیں یا بہت کم پڑا ہے۔ اس شخص کو اس دنیا کا فرد سمجھنے میں کئی قباحتیں ہیں۔ ایسا خیال ہوتا ہے جیسے یہ شخص کہیں اور سے، کسی اور عالم سے آ کر یہاں آباد ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے افراد خاندان کی یہاں موجودگی اس خیال کی تردید کرتی تھی۔ یہ شخص عموماً ویرانوں میں رہتا تھا اور بستیوں میں کبھی کبھی آتا جاتا تھا۔ لوگ اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ لیکن اس کی باتیں بہت کم لوگوں کی سمجھ میں آتی تھیں۔ وہ ایسے خدا کی پرستش کی بات کرتا تھا جو ان کے جابر فرماں روا کے مظالم سے بچانے کبھی نہیں آتا تھا۔ وہ ایسے کام

کرنے کو کہتا تھا جو اس ماحول سے قطعی مطابقت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اگر کچھ لوگوں کو اس کی بات سمجھ میں آ بھی جاتی تھی تو بھی وہ اپنے ماحول کے جبر سے اس پر عمل نہ کرنے کو ہی بہتر سمجھتے تھے۔ عام طور پر وہ ایک نیک نفس فرد کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے ضرور تھے جو کہتے تھے کہ یہ بزرگ شخص اپنی عظمت اور برتری کو اپنے کسی اعلیٰ مفاد کے حصول کے لیے حربے کے طور پر استعمال کر رہا ہے اور اپنی علمیت اور افضلیت کی ڈینگ ہانکنے کے لیے ایسی بے سر پیر کی باتیں کرتا ہے جن کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ فی الحال قصہ گو کے لیے یہ بتانا خلاف مصلحت ہے کہ ان میں سے کن کی رائے درست تھی۔ البتہ یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہی شخص اس قصے کا مرکزی کردار ہے۔

(۴)

قصہ گو کا کہنا ہے کہ اس نے سینہ بہ سینہ اور دست بہ دست چلی آنے والی محفوظ روایات کے کرم خوردہ اور فراموش شدہ اوراق پر نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ اس دنیا کے خالق کو اپنی خلق کردہ مخلوق کا یہ انداز حیات اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے بارہا ایسی کوششیں کی تھیں کہ یہ مخلوق اپنے طلسم علم و عقل کے حصار سے باہر نکل کر معصومیت کی پناہ گاہ میں چلی آئے اور گمراہی کو راستی سے بدل لے، گناہ وثواب میں تفریق کرے اور اسی کی بنیاد پر اپنی زندگی کے مقاصد متعین کرے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ چنانچہ اس نے اس دنیائے عصیاں کو اس کے انجام سے ہمکنار کرنے کے لیے اس کی تباہی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس تعلق سے اس نے ایک طرف فرشتہ اجل کے لیے حکم جاری کر دیا تھا کہ وہ ہمہ وقت تیار رہ کر اس کے اشارے کا انتظار کرے اور دوسری طرف فرشتہ رزق کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ وہ اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں کو دوچند اور سہ چند کر دے۔ تاکہ کسی کو یہ احساس نہ ہو کہ اس کی تباہی کا سبب قلت رزق تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ خالق کائنات نے اس عالم اسباب میں سب سے پہلے سبب کی موت کا حکم صادر کر دیا تھا، علت اور معلول کا رشتہ توڑ دیا تھا۔ تاکہ اب جو کچھ رونما ہو وہ ہوشمندی کی مدعی مخلوق کی علمیت، ذہانت اور فراست کے دائرہ فہم میں نہ آئے۔ زمین امید سے زیادہ رزق اگلے۔ گرمی کے موسم میں سرد ہوائیں پریشان کریں اور سردی میں لوگوں کو پسینہ آئے۔ دریا اپنا رخ بدلیں۔ غرض سارے ناممکنات کا

ظہور ہو۔ اور یہ سب کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ بس سب ہوگا۔ ہوتا رہے گا۔ کیوں اور کیسے کا جواب کسی کے پاس نہ ہوگا سبب کی موت کے بعد پیش بینی اور مستقبل کا اندازہ بھی فنا ہو چکا ہوگا۔ اور مستقبل کا عدم وجود ماضی کی اہمیت ختم کردے گا۔ بس حال ہوگا، صرف حال اور کچھ نہیں۔ یہ ساری باتیں رفتہ رفتہ اپنی شدت میں اضافہ کریں گی اور کسی بھی لمحے فرشتہ اجل خدائے قادر کے حکم سے اس کے خاتمے پر عمل درآمد کا آغاز کردے گا۔ پھر یہ سارا شور شرابا ایک ہو میں بدل جائے گا۔ بس ایک ہو اور طویل سکوت۔

معرف قصہ کا کام یہاں ختم ہوا۔ جیسا بھی برا بھلا بنا اس نے قصے کا تعارف کرادیا۔ اب آپ جانیے اور آپ کا قصہ گو جانے۔ بہتر ہوگا کہ اب آپ قصہ گو کی جانب متوجہ ہوں اور یہ قصہ سنیں۔

قصہ گو نے بتایا ہے اور میں بھی آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس قصے کے شروع ہوتے ہی ان تمام لوگوں کے پیروں میں زنجیریں پڑ جائیں گی جن کے کانوں تک قصہ گو کی آواز پہنچے گی اور کوئی بھی اپنی جگہ سے اٹھ نہیں پائے گا۔ اس لیے جو شخص قصے کے آخر تک یہاں رہنے پر آمادہ نہ ہو، اس کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ ابھی اسی لمحے قصہ گو کے حصار صوت سے باہر چلا جائے۔ ورنہ اس کے سود وزیاں کے لیے قصہ گو پر کوئی اخلاقی یا آئینی ذمہ داری عاید نہیں ہوگی۔

باب اول

قیامت

ہنگام لابد

(۱)

سب سے پہلے زمین کے لرزنے کا احساس ہوا تھا۔

پھر لگا جیسے کوئی ان دیکھی قوت اس شہر بے مثال کی عمارتوں، سڑکوں اور تمام آلات حیات کو اس طرح توڑے ڈال رہی ہے جیسے کوئی بچہ ناراض ہو کر اپنے کھلونے توڑنے لگتا ہے۔ ہر چیز شکستہ ہو کر زمیں بوس ہو رہی تھی۔

اور یہ سب کچھ اسی شہر تک محدود نہ تھا۔ کم و بیش سارے سیارے کا یہی حال تھا۔

پھر کچھ وقفے سے وہ آواز سنائی دی جس سے ہر شخص کو ڈر معلوم ہو رہا تھا لیکن جس کے ایک نہ ایک دن سنائی دینے کا سب کو یقین تھا۔ یہ وہی آواز تھی جس کے بارے میں سغیر اول ابوالجن حضرت **طارہ نوث** نے ہزاروں سال پہلے پیشین گوئی کر دی تھی۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ مشرق بعید کی اس حد آخر سے جس کا سرا مغرب بعید کی حد آخر کو چھوتا ہے، ایک دن ایسی موسیقی بلند ہوگی جس کی آواز کے سحر میں ہر شخص گرفتار ہوگا اور اس کی دھن پر ناچتے ہوئے اپنی جان گنوا دے گا۔ صرف ذی روح ہی نہیں اس عظیم سیارے کی ہر موجود شے اس کی لے پر رقص کرنے لگے گی۔ جس کا نتیجہ ہوگا کہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ یہ اسی موسیقی کی آواز تھی۔ جس سے خوف زدہ ہونے کے باوجود جسے سننے کو دل بے چین ہو جاتا تھا اور چند لمحوں میں ہر فرد اور ہر شے اس کے زیر و بم کے ساتھ تھرکنے پر مجبور ہو جاتی۔ یہاں تک کہ

لوگ بے دم ہو کر گر پڑتے اور چیزیں ٹوٹ کر نابود ہو جاتیں۔

یہاں ہر شخص اسی طرح اپنے انجام سے ہم کنار ہو رہا تھا۔

یہ خوب صورت اور عظیم سیارہ جس کی تعمیر و تزئین اور حسن کاری میں آل جن نے اپنی صدیوں کی محنت، ریاضت اور صلاحیت صرف کی تھی، برباد ہو رہا تھا۔ ہر شخص بس تماشائی تھا اور کچھ کر نہ سکتا تھا۔

اس سیارے پر بس اتنا ہی نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں ہر منظر مختلف تھا۔ تباہی اور بربادی کا عمل اپنے تمام ممکنہ لوازم کے ساتھ روبہ کار تھا۔ اس کے ہر منظر کا اپنا حسن تھا، اپنی دل کشی تھی، اپنی تباہ کاری تھی، اپنی تخریب تھی۔ اس تخریب میں کسی تعمیر نو کا امکان ابھی مہمل تھا۔ بس ایک خداوند قادر کا فرمان تھا جس کی رو سے اس کی تخریب میں تعمیر کا ایک پہلو پوشیدہ ہوتا تھا۔ اس لیے ہر مرنے والا اس یقین کے ساتھ مر رہا تھا کہ اس انتشار گرفتہ عالم کے اجزا ایک بار پھر جمع ہوں گے۔ ہم ہوں نہ ہوں، اس کی تعمیر نو بہر حال ہوگی۔

(۲)

عناصر کے انتشار کا یہ دن اس شخص پر بھی بھاری تھا جو خدائے خدایان سیارہ کہلاتا تھا۔ حالانکہ ناکامی کا دھڑکا تو اسے بھی لگا تھا لیکن اپنی دفاعی تیاریوں کے پیش نظر وہ سمجھ رہا تھا کہ اس بلا کو ٹالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کا محل جو باشندگان سیارہ کی ذہانت اور آل جن کے ارتقا کی معراج کا نقش آخر تھا، خطرے میں تھا۔ یہاں موجود مشینی افراد کے جسم سب سے پہلے ناکارہ ہوئے تھے۔ پھر وہ سارا خودکار نظام ناکارہ ہوا جو ان کے دست سحر کار کا مرہون منت تھا۔ خود وائی سیارہ کے وہ تمام اعضا مفلوج ہو چکے تھے جو جنوں کی صناعی اور بے مثال ارتقا کے تحت وجود میں آئے تھے۔ اس کے لیے یہ بھی ممکن نہ رہا کہ وہ اپنے پیروں کا استعمال کر کے بیرونی سطح پر آئے اور محفوظ جگہ کی تلاش کرے۔ محل میں چیزیں ٹوٹ پھوٹ رہی تھیں۔ مختلف سامان عیش و نشاط چنگاریاں اگل رہے تھے اور یہ ساری تباہی اس کے، خدائے خدایان سیارہ **شاطون** اعظم کے نظروں کے سامنے ہو رہی تھی۔ اس نے بھی موسیقی کی آواز سنی تھی اور اس کا جسم تھر کنے لگا تھا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو چکا تھا۔ اسے یہ بھی احساس نہ رہ گیا تھا کہ وہ اور اس کا سارا کاروبار حیات فنا ہو رہا ہے۔ اور

یہ سیارہ اپنے وجود کی آخری گھڑیاں گن رہا ہے۔ اچانک اس زیر زمیں محل کی دیواریں سمٹیں اور اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم دو دیواروں کے درمیان پس گیا۔ سارادفاعی نظام دھرا کا دھرارہ گیا اور خدائے خدایان سیارہ کا تاج زرنگار اپنے سر پر رکھے خود **شاطون** اعظم مرگیا۔ سارے محل میں شورالاماں برپا تھا اور لوگوں کو امان فراہم کرنے والا خود امان کی تمنا لیے اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ اس کا محل رفتہ رفتہ اپنی شکل بدل رہا تھا۔ کبھی اس کا رنگ آگ کی طرح سرخ ہو جاتا کبھی برف کی طرح سفید۔ لیکن یہ شعبدہ بازی تھوڑی ہی دیر چلی۔ اس کے بعد بس ایک ملبہ تھا جو حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔

محل کے بیرونی میدان میں لوگوں کی بھیڑ جمع تھی۔ یہ سب اسی پراسرار موسیقی کی دھن پر رقص کر رہے تھے جو کبھی مشرق کی جانب سے آتی محسوس ہوتی تھی اور کبھی مغرب کی طرف سے۔ یہ اپنے آقائے سیارہ سے مدد کے طالب تھے۔ انھیں اب بھی یقین تھا کہ وہ جلد ہی انھیں تحفظ فراہم کرے گا۔ لیکن جب سارا محل مٹی اور راکھ کے ایک عظیم الشان ڈھیر میں تبدیل ہو گیا تو وہ مایوس ہو گئے۔ انھیں یہ بھی یاد نہ آ رہا تھا کہ مصیبت کا ایسا وقت آنے پر انھیں کیا کرنا چاہیے۔ بھیڑ میں مشینی اور نیم مشینی لوگوں کی کثرت تھی لیکن ان میں سے اکثر بے حرکت ہو چکے تھے۔ البتہ وہ چند لوگ جن کے جسم فطری تھے، اب بھی زندہ تھے۔ وہ اپنے ایمان وعقیدہ کی کشمکش میں جان بچانے یہاں تک آ گئے تھے۔ لیکن یہاں کا حشر دیکھ کر ان کے دل خدا کی طرف رجوع ہوئے۔ وہ اب اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے تھے اور اس ہنگام آخر کی اذیتوں میں کمی کی فریاد کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ محل کے اندر چیخوں کی آواز کم ہوتی جا رہی تھی اور بالآخر وہاں مکمل طور پر خاموشی طاری ہو گئی۔ محل کے اندر اور باہر کوئی زندہ نہیں بچا تھا۔ البتہ میدان میں اب بھی کچھ جسم تڑپ رہے تھے۔ عناصر کے انتشار کا کھیل بھی رفتہ رفتہ سکون کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شہر مریخا اب اپنی عظمت اور سربلندی کا دفینہ بن چکا تھا اور اس عظیم شہر میں ویرانوں جیسا سکوت طاری تھا۔

(۳)

عناصر کا یہ کھیل اور ہنگام آخری کا یہ سلسلہ محض شہروں تک محدود نہ تھا۔ سارا سیارہ ہی

اس کی گرفت میں تھا۔ دیوقد درندے ویرانوں سے بستی میں آ کر تباہی مچا رہے تھے، جن خورد درختوں کی بن آئی تھی اور وہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے لگے تھے۔ یہاں کے آتش فشاں سرد ہو گئے تھے۔ زندگی بخش حرارت کی جگہ مہلک ٹھنڈک نے لے لی تھی۔ آتش زادوں کی زندگی اب ممکن نہ رہ گئی تھی۔ ندیاں اپنے خوش گوار گرم پانی کے چشموں سمیت خشک ہو رہی تھیں۔ پہاڑ خود انتشار عناصر کی زد میں تھے اور ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں بکھر رہے تھے۔ سطح زمین اعصابی تناؤ میں مبتلا مریض کی طرح بار بار اکڑ رہی تھی۔ اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ ہر طرف لوگوں کی بھاگ دوڑ جاری تھی۔ سب اپنے اپنے لیے جائے پناہ کی تلاش میں تھے۔ محبت کا جذبہ اٹھ گیا تھا۔ کسی کو کسی کی فکر نہ تھی۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ رشتے ختم ہو چکے تھے۔ سب اپنے لیے پریشان تھے۔ لیکن اب کسی کو اپنے لیے بھی جائے پناہ تلاش کرنا ممکن نہ رہ گیا تھا اور رفتہ رفتہ سب لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو رہے تھے۔

یہ سب کیوں ہو رہا ہے، یہ سب جانتے تھے۔ انھیں آج ابوالجن حضرت **طارہ نوش** کی ایک ایک بات یاد آ رہی تھی جسے وہ عرصہ ہوا پس پشت ڈال چکے تھے۔ ابوالجن نے فرمایا تھا کہ جب زمین پر ابوالعجائب خدائے کائنات کا ذکر مفقود ہو جائے گا، جب خیر و شر کا توازن بگڑ جائے گا اور شر خیر پر غالب آ جائے گا، جب جن خود دوسرے جن کی جان کا درپے ہوگا، جب محبت، ہمدردی، خلوص، نیک نیتی اپنے مفاہم بدل کر محض ڈھونگ رہ جائیں گے، جب قوم جن آئین فطرت کو ترک کر کے قوانین اختراعی کی پیروی کرنے لگے گی، جب ہر شخص متضاد مزاج کا مالک ہوگا، اور فطرت سے رشتہ توڑ لینا باعث افتخار ٹھہرے گا، جب جن کی شناخت اس کی فطرت کی بنیاد پر نہیں اس کے کارناموں کی بنیاد پر ہوگی، جب آتش فشاں سرد اور دریا خشک ہونے لگیں گے، تو سمجھ لینا کہ فنا کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ اور جب یہ دنیا ختم ہوگی تو ایک دائمی زندگی کا آغاز ہوگا۔ اس دائمی زندگی میں فرد کے آرام و آلام کا تعین اس کے سابقہ اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔

ابوالجن کی پیشین گوئیوں میں یہ بھی درج تھا کہ دنیا کا خاتمہ ایک نئی دنیا کی تخلیق کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ہر نئی دنیا ایک متعین عمر لے کر آتی ہے اور جب اپنی معینہ مدت طے کرنے کے بعد اس دنیا کو تباہ کر دیا جاتا ہے تو وقت کا ایک متعین وقفہ بغیر کسی نئی مخلوق کے گزرتا ہے۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد خدائے کائنات پھر اپنی قوت تخلیق کا مظاہرہ کرتا

ہے اور ایک نئ مخلوق کے وجود میں آنے کے اسباب بہم ہونے لگتے ہیں۔ ابوالجن نے فرمایا تھا کہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ اور ابوالجن حضرت **طارہ نوث** کے فرمان سے بھلا کون انکار کرسکتا تھا۔

اور اب تو ابوالجن کی باتوں پر یقین نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہ رہ گیا تھا۔ کیوں کہ وہ ہنگام اخریٰ سب کی نظروں کے سامنے تھا۔ واقعہ سب کا چشم دید ہوتو انکار بھلا کون اور کیسے کرے گا۔ حادثہ سب کے لیے متوقع ہوتو حیرت کسے ہوگی۔ ابوالجن نے فنا کے جو آثار بتائے تھے وہ سب ظہور میں آکران کے روزمرہ کا حصہ بن چکے تھے۔ صنعت نے فطرت کی ہر کمی کو بتدریج اپنے دائرۂ ارتقا میں لے لیا تھا۔ اس دنیا کو انقلاب کی ضرورت تھی۔ لیکن انقلاب وہاں آتا ہے جہاں لوگ اس کے خواہش مند ہوں۔ یہاں تو لوگ اپنی اپنی دنیا بسانے میں لگے تھے۔ اپنی بے راہ رویوں سے وہ نہ صرف مطمئن تھے بلکہ اسے ہی عین راستی سمجھ بیٹھے تھے۔ تو یہ انجام تو مقدر تھا ہی۔

لوگ بڑی بے چارگی سے، بڑی امید سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن آج رحمت خداوندی کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔

(۴)

سیارے کا وہ بزرگ جس کی باتوں پر نہ کوئی دھیان دیتا تھا اور نہ انھیں قابل عمل سمجھتا تھا، لیکن جس کی عظمت اور بزرگی کے ساتھ جس کی راستی کا ہر شخص قائل تھا، حیران تھا۔ سیارہ بے مثال اردبان کے طول وعرض میں جو کچھ ہو رہا تھا، شاید متوقع ہونے کے باوجود بھی کم از کم اس کے لیے قبل از وقت تھا۔ کبھی اسکے چہرے پر خوف کی جھلک نظر آتی تو کبھی غصے کی۔ لیکن جو کچھ ہو رہا تھا اس کا روکنا اب اس کے حد اختیار سے باہر تھا۔

ابھی کل ہی کی تو بات ہے جب آثار فنا کی تنبیہ کے بعد عرش اصغر پر جاکر وہ اپنے رفیق **جبرئیل** سے ملا تھا اور اس کے توسط سے ابوالعجائب خداوند کائنات کے حضور درخواست کی تھی کہ اسے کچھ دنوں کی اور مہلت دی جائے۔ وہ اب بھی پر امید تھا کہ وہ اپنے ہم جنسوں کو صراط مستقیم پر لے آئے گا۔ اس کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا گیا اور اسے ایک دن کی مہلت دی گئی۔ ایک دن یعنی دوسو اردبانی سال۔ یہ دوسو سال اتنی جلدی کیسے گزر

گئے اسے پتہ ہی نہ چلا۔ حالات اب بھی وہی دو سو سال پہلے جیسے تھے۔ بلکہ اکثر اس سے بھی دگرگوں۔ نہ تو سیارۂ اردبان پر وہ ایک خدا پرست بنا پایا اور نہ اس کے دیرینہ خواب کی تعبیر کی کوئی سبیل نکلی۔ حالانکہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے اس نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے علم کو، اپنی حکمت کو اس کی بہترین شکل میں استعمال کیا تھا وہ اپنا سارا مکر و فریب، اپنی ساری ریا کاری بردے کار لا چکا تھا۔ اپنی ساری عظمت و بزرگی کی نمائش کے باوجود وہ شاہ سیارۂ اردبان **شاطون** اعظم کو معزول نہ کر سکا تھا۔ جو غاصب تھا، جابر تھا، بے دین تھا، خدا دشمن تھا اور سب سے بڑھ کر خود اس ہستی بزرگ کا گنہ گار تھا۔

یہ نیک خو بزرگ بھی دوسرے لوگوں کی ہی طرح، جن کی سانسیں ابھی چل رہی تھیں ایک غار کے منھ سے بڑی پر امید نگاہوں سے آسمان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس بزرگ کا آسمان کی طرف دیکھنا دوسرے لوگوں کی طرح نہیں تھا۔ اس کے لب پر دعائے طلب تھی اور دل میں خدا کا خوف۔ رفتہ رفتہ اس کے چہرے کا جلال بڑھتا جا رہا تھا۔ جلد ہی وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔ اس پر ایک عجیب غنودگی طاری ہو گئی۔ اب نہ اسے اردبان کی تباہی کا غم تھا اور نہ اپنے انجام کی پروا۔ آسمان پر جہاں اس کی نگاہیں مرکوز تھیں وہاں ایک شگاف نمودار ہوا، روشنی کا ایک قافلہ برآمد ہوا اور اردبان کی جانب آنے لگا۔ یہ فرشتوں کا لشکر تھا جو خدائے قادر کے حکم سے اردبان کو نیست و نابود کرنے کے لیے آ رہا تھا۔ اس کی کمان خدا کے سب سے مقرب فرشتے **جبرئیل** کے ہاتھ میں تھی۔ اور **جبرئیل** اس ہستی بزرگ کا دوست تھا جو اس وقت بے یار و مددگار غار کے منھ پر بیٹھا بڑی بے چارگی سے آسمان کو گھورے جا رہا تھا اور اس تاریکی میں اپنی زندگی کی کرن تلاش کرنے کی کوشش میں لگا تھا۔ وہ فنا کے اس کاروبار میں نہ صرف زندگی کی خواہش رکھتا تھا بلکہ اپنی تمام عبادتوں اور ریاضتوں کے اثرات کو بردے کار لا کر حیات جاوداں کے حصول کے لیے دعا کر رہا تھا۔ فرشتوں کے سالارِ لشکر نے زمین پر قدم رکھا اور اس بزرگ سے مخاطب ہوا۔

''کیسے ہو **عزازیل**''؟

''**عزازیل** جیسا بھی ہے تمہارے سامنے ہے۔ لیکن وہ بہت مغموم ہے''۔

''میرے رفیق اس ہنگامہ کا زم، اس قہر خداوندی، اس مرقوم لوح سے تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ خداوند قادر نے میری دعا پر تیری زندگی بخش دی ہے۔ تم اس کی

امان میں ہو۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ خدا تم سے راضی ہوا''۔

''کاش **عزازیل** کے ساتھ اس کا سیارہ بھی کچھ مدت کے لیے بچ جاتا''۔

''یہ تم پہلے بھی طلب کر چکے ہو اور تمہاری یہ طلب پوری کی جا چکی ہے''۔

''ہاں جبرئیل، لیکن **عزازیل** کا کام ابھی ادھورا ہے''۔

''ٹھیک ہے کہ تم جس کام میں مصروف ہو وہ خدا کا ہی کام ہے۔ لیکن تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ ہدایت دینا نہ دینا اور دعاؤں کا قبول ورد خدا کے اختیار میں ہے۔ اور واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ اب خدا کو اس مخلوق کی ضرورت نہیں رہی۔ مسبب الاسباب نے اسباب کا جو جال اس سیارے پر بچھایا ہے وہ تمہارے کاٹے نہیں کٹے گا۔ شکر کرو کہ خدا تم سے راضی ہوا۔ اور اس سیارے پر صرف اور صرف تمہیں زندہ بچا لینے کی اجازت دے دی ہے۔ خدائے قادر کا یہ کرم تمہارے لیے بھی بہتر ہے تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو''۔

عزازیل نے گردن جھکا لی۔ چند فرشتے آگے بڑھے اور اس کے لیے ایک طائر فردوسی پیش کیا۔ فرشتوں نے اسے روشنی کے حصار میں لے لیا۔ فوراً ہی وہ عرش اصغر کی جانب بلند ہونے لگے۔ فرشتوں کی اس فوج نے اردبان پر بچے کھچے آثار حیات کو بھی ختم کر دیا تھا اور ان کے پرواز کرتے ہی یہ سیارہ ایک دھماکے کے ساتھ خلا میں اس طرح منتشر ہو گیا جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

(۵)

واپسی کے اس سفر کے دوران **عزازیل** سوچ رہا تھا کہ یہ اس کی شکست عظیم ہے۔ اب اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اگر وہ بھی اہالیان اردبان کے ساتھ ختم ہو جاتا تو ٹھیک ہوتا۔ سب ختم ہو جاتا۔ نہ اس کا وجود ہوتا اور نہ یہ اذیت ناک احساس کہ وہ اپنی کوشش میں پوری طرح ناکام ثابت ہوا ہے۔

اچانک اس کے چہرے پر چمک پیدا ہوئی۔ جیسے کوئی دل خوش کن خیال اس کے ذہن میں پیدا ہوا ہو۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہ اس کی شکست ضرور ہے لیکن آخری شکست نہیں۔ اب بھی اسے اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کا موقع مل سکتا ہے۔ اسے یاد آیا کہ ایک نہ ایک دن خدائے کائنات پھر ایک دنیا کی تخلیق کرے گا اور اگر میں نے خدائے قادر کو خوش

رکھنے میں کامیابی حاصل کر لی تو یقیناً مجھے اس نئی مخلوق کا سربراہ بنایا جا سکتا ہے، کیوں کہ مخلوق گذشتہ میں سے بچنے والا میں تنہا فرد ہوں جو بہر حال مخلوق پیوستہ سے افضل و برتر ہوگا۔

یہ خیال آتے ہی اس کا سارا ذہنی انتشار غائب ہو گیا۔ اب وہ معمول پر واپس آ چکا تھا اور نہایت خوش مزاجی کے ساتھ اپنے ہم راہی فرشتوں سے بات چیت کرنے لگا تھا۔ فرشتوں نے بھی اس کے اندر پیدا ہونے والی اس اچانک تبدیلی کو دیکھا لیکن خاموش رہے کہ یہ ان کے مزاج کی مجبوری تھی۔

اردبان

(۱)

نظام شمسی کے آخری سیارے سے تقریباً ایک ارب تیرہ کروڑ میل کے فاصلے پر کبھی ایک سیارہ ہوا کرتا تھا۔ جو تھا تو اسی نظام شمسی کے ماتحت لیکن اسی نظام کے دوسرے سیارے اس سے بس اس حد تک واقف تھے کہ دور آسمان پر چمکنے والا یہ خوفناک سیارہ اگر نظروں کی زد میں آجائے تو عذاب اور پریشانیوں کا سبب بن جاتا ہے۔ کچھ لوگ اسے خداؤں کی سرزمین کہتے تھے تو کچھ شیاطین کا مرکز۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ دھوکے سے بھی ان کی نگاہیں اس کی طرف نہ اٹھیں تاکہ وہ آفات ومصائب سے محفوظ رہیں۔

اس سیارے کا نام اردبان تھا۔ اس کا تقریباً تین چوتھائی حصہ خشکی اور باقی حصہ پانی پر مشتمل تھا۔ سیارے کا قطر تقریباً تین ہزار میل تھا جو ہماری زمین کے قطر سے نصف سے بھی کم ہے۔ اس کی بیرونی سطح آگ کی طرح سرخ اور گرم تھی۔ اس سیارے پر خدا نے جنوں کو آباد کیا تھا جو خود بھی آگ سے ہی پیدا کیے گئے تھے۔ چنانچہ آگ اور گرمی ان کے لیے باعث راحت تھی۔ مشکل تھی تو بس اتنی کہ یہ آگ اور گرمی ان کے بیشتر سامان صحت وحیات اور لوازمات عیش ونشاط کے لیے مفید نہ تھی۔ اس کی گرمی ان کے علم وذہانت کے ثمر کو راکھ کے ڈھیر میں بدل دیتی تھی۔ رہائش کے لیے زیر زمین بستیاں بسانے کے پیچھے جو اسباب تھے ان میں ایک سبب یہ بھی تھا۔ ان بستیوں میں وہ آرام سے رہتے بھی تھے اور حصول راحت کے لیے مزید تجربوں کا عمل بھی جاری رہتا تھا۔ بیرونی سطح پر اب وہ کبھی کبھی آتے تھے۔ اس کا مقصد اکثر تفریح ہوتا تھا یا پھر طویل مسافتیں۔ لیکن باہر آنے سے پہلے وہ اپنا لباس اتار دیتے تھے کہ کسی بھی مصنوعی چیز کی طرح ان کے لباس بھی بیرونی گرمی کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔

ان زیر زمین بستیوں نے ترقی کرتے کرتے شہروں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لیکن ان

بستیوں اور شہروں میں سیارے کی کل آبادی نہیں رہتی تھی۔ اکثریت اب بھی بیرونی سطح پر آباد تھی۔ بیرونی سطح پر آباد ان افراد کی حیثیت پس ماندہ قبائل جیسی تھی جنھوں نے ابھی تک اپنے جسم کو لباس سے آلودہ نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ ارتقا کی دوڑ میں شامل نہ تھے اور ان کی اکثریت کو ارتقا کی یہ شکل پسند بھی نہ تھی۔ ان کی حالت جیسی بھی تھی وہ اسی سے مطمئن اور خوش تھے۔ یہ ذہین تو تھے لیکن ان کی ذہانتوں کی انتہا عموماً حصولِ رزق تک محدود تھی۔ ایک بستی سے دوسری بستی یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانے کے لیے ہر شخص کو بیرونی سطح پر آنا پڑتا تھا۔ البتہ زیرِ زمین شہر یا بستی کے اندر ایک جگہ سے دوسرے جگہ جانا اندر ہی اندر ممکن تھا۔ باہر آنے والوں کے لیے اپنے سامان کی حفاظت کے لیے کچھ مصنوعی لوازم کی ضرورت ہوتی تھی اور بیرونی سطح کی لامحدود سعتوں میں آباد وحشی قبائل سے نبرد آزمائی کے خوف سے محتاط اور ایسے ساز و سامان سے لیس ہونا پڑتا تھا جن سے زندگی اور وسائل زندگی محفوظ رہیں۔ لیکن ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر نہ تو دشوار تھا اور نہ اصراف وقت کا سبب۔ البتہ مسافر سے زیادہ طاقت ور شخص اگر چاہے تو راستے میں کہیں بھی کسی مسافر کو رکنے پر مجبور ضرور کرسکتا تھا۔

چونکہ یہ سیارہ اپنے مرکز آفتاب سے دوسرے سیاروں کے مقابلے زیادہ فاصلے پر واقع تھا، اس لیے آفتاب کے گرد چکر لگانے میں اسے دوسرے سیاروں سے زیادہ وقت لگتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس سیارے پر وقت کا تعین دوسرے سیاروں سے مختلف تھا۔ یہ سیارہ اپنے محور پر رقصاں نہ تھا، اس لیے دن اور رات کا تصور بھی یہاں دوسروں سے مختلف تھا۔ آفتاب کے گرد اپنا سفر پورا کرنے میں اسے ہمارے معیار وقت کے مطابق تقریباً سولہ ہزار دن یا چوالیس سال لگتے تھے۔ چنانچہ یہاں ایک سال کی مدت وقت کی اسی مدت پر محیط تھی۔ اپنے محور پر نہ گھوم پانے کی وجہ سے یہاں سال میں بس ایک بار دن ہوتا تھا اور ایک بار رات۔ یہ رات اور یہ دن ہمارے معیار وقت کے مطابق آٹھ آٹھ ہزار دنوں یا بائیس بائیس سالوں کے برابر ہوتے تھے۔ لیکن یہاں کے باشندوں کو رات اور دن سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ ہماری طرح ان کے یہاں یہ تصور نہ تھا کہ دن کام کرنے اور رات آرام کے لیے ہوتی ہے۔ البتہ رات کی تاریکی کو دن کی طرح روشن رکھنے کے لیے انھیں آفتاب کا متبادل تلاش کرنا پڑا تھا اور اپنی اس کوشش میں انھیں زیرِ زمین بستیاں آباد کرنے سے پہلے ہی کامیابی مل چکی تھی۔

(۲)

باشندگان اردبان کی تین قسمیں تھیں۔ پہلی اور ازلی قسم 'نوشی' تھی جو خدا کی فطری مخلوق تھی اور اپنے آپ کو ابوالجن حضرت **طارہ نوث** اعظم کی اولاد اور وارث تصور کرتی تھی۔ چھوٹے سر، لمبے کان، بڑی بڑی آنکھیں ان کی پہچان تھے۔ ان کے سر بالوں سے عاری تھے۔ ہاتھ پاؤں متناسب جسم کا حصہ تھے اور ان کا معقول استعمال کرنا یہ لوگ جانتے تھے۔ ان کی رہائش عام طور پر سیارے کی بیرونی سطح پر تھی۔ یہ لوگ اپنی رہائش کے لیے ایسی جگہ پسند کرتے تھے جہاں آس پاس کوئی کوہ آب افشاں ہوتا تھا کہ اس پہاڑ سے ابلنے والا پانی آس پاس کی زمین کو سرد بھی کرتا تھا اور اسے زراعت کے لائق بھی بناتا تھا۔ ان میں ولادت کا سلسلہ والدین کا مرہون منت تھا جسے اب یہاں پر پس ماندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ان میں اب بھی عورت مرد ایک دوسرے کی مدد کے بغیر اپنی نسل کو آگے بڑھانے سے قاصر تھے۔ یہ ذہین تو تھے لیکن دور مذکور میں مصنوعی اور نیم مصنوعی افراد کے مقابلے میں ان کی ذہانت کمزور درجے کی تھی۔ یہ بیشتر حصول رزق کی تگ ودو میں مصروف رہتے اور سوچنے سمجھنے کی زحمت کم ہی کرتے تھے۔ نتیجتاً اکثر دوسری طرح کے لوگ ان کو پکڑ لے جاتے اور ان کو غلاموں کی طرح استعمال کرتے۔ ایک بار گرفتار ہو کر جو نوشی زیر زمین بستیوں میں لے جایا جاتا اسے عام طور پر پھر بیرونی سطح پر آنا نصیب نہ ہوتا تھا۔

دوسری قسم کے لوگ 'شینانی' تھے۔ جن کے سروں کا مغز نکال کر ان میں مصنوعی اذہان لگا دئے گئے تھے۔ یہ لوگ بلا کے ذہین ہوتے تھے۔ سر پر دو آہنی سینگ ان کی پہچان تھے جو ان کی قوت احساس کے منبع بھی تھے۔ باقی جسم نوشیوں سے مختلف نہ تھا۔ ان کا ذہن کسی بھی موضوع پر بہت دور اور بہت گہرائی کے ساتھ سوچ سکتا تھا بس کمی یہ تھی کہ فکر کی جہت طے شدہ ہوتی تھی۔ وہ فطری لوگوں کی طرح اچانک اپنی راہ فکر بدل نہیں سکتے تھے۔ ان کی یہ کمزوری کبھی کبھی نوشیوں کے ہاتھوں انھیں شکست سے دوچار کر دیتی تھی۔ اس سے ہٹ کر شینانی کی قوت فکر کا مقابلہ کوئی نہ کر سکتا تھا۔ یہ خود مختار ہوتے تھے اور اپنے اپنے میدان میں مطلق العنان بھی۔ لیکن اپنے سے زیادہ ذہین فرد کی برتری اور عظمت کو تسلیم کرنا ان کی تہذیب کا حصہ تھا۔ یہ علم کا احترام کرتے تھے۔ یوں تو یہ چلنے پھرنے کے لیے پیروں کا استعمال کرتے تھے لیکن طویل مسافتیں طے کرنے کے لیے ذہن کے مختلف اجزا کو

حرکت میں لا کر بغیر کوئی وقت صرف کیے مطلوبہ جگہ پر پہنچ جاتے تھے۔ ان کی نسل آگے بڑھنے کے لیے والدین کی محتاج نہ تھی۔ عام طور پر یہ ہوتا کہ جب کسی شینانی کو جنسی خواہش پریشان کرتی تو یہ اپنے اعضائے جنسی کو دیکھتے۔ اس طرح دیکھنے کی وجہ سے کچھ دیر میں وہ عضو آگ کی طرح سرخ ہو جاتا۔ اس سے انھیں ایک خاص قسم کی لذت کا احساس ہوتا۔ اسی لمحے عضو خاص سے ایک شعلہ نمودار ہوتا جو ان کے ذہن کے ایک خاص حصے میں دفن ہو جاتا۔ گویا اب ایک نیا وجود دنیا میں آنے کو تیار ہو گیا ہے۔ اب یہ اس شخص کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ اسے خارجی دنیا میں کب لاتا ہے۔ اسے وجود میں لاتے وقت ایک طویل صنعتی عمل سے گزارا جاتا تھا تاکہ وہ پیدائشی طور پر ہی ان فطری کمزوریوں سے نجات حاصل کر لے جو نوشیوں کا طرہ امتیاز تھیں۔ اس طرح وجود میں آنے والا فرد ذہین اور نیم فطری ہوتا تھا لیکن اس کے پاس کسی نئے وجود کو لانے یا نسل بڑھانے کی قوت کا فقدان ہوتا تھا۔ یہ لوگ صرف اپنے باپ کو ہی اپنا عزیز تسلیم کرتے تھے اس کے علاوہ قرابتوں کا کوئی سلسلہ شینانیوں میں نہ تھا۔

یہاں کے باشندوں کی تیسری قسم 'تکاشی' تھی۔ یہ مکمل طور پر مصنوعی تھے۔ ان کے پاس عقل تھی۔ یہ بات چیت کر سکتے تھے۔ سفر کرنے کا طریقہ کار ان کا بھی وہی تھا جو شینانیوں کا تھا۔ سینگ ان کے سروں پر بھی ہوتے تھے لیکن شینانیوں سے کچھ بڑے۔ یہ طویل مسافتیں تنہا نہیں طے کر سکتے تھے جب تک کسی شینانی یا نوشی کی مدد شامل نہ ہو۔ ان کا تنہا سفر خودکشی کے مترادف تھا۔ عموماً یہ کسی شینانی کے ماتحت ہوتے اور اس کی قوت میں اضافے کا سبب بنتے۔ کوئی تکاشی اپنے آقا کی عدول حکمی کا حوصلہ اس وقت تک نہ کر سکتا تھا جب تک اس کے نظام میں کوئی خرابی نہ آ گئی ہو یا کسی نے یہ خرابی پیدا نہ کر دی ہو۔ ان میں خرابی آنے پر مخصوص پرزے تبدیل کیے جا سکتے تھے۔ لیکن اگر ان کے ذہن میں کوئی فتور پیدا ہو گیا تو جو شینانی یا نوشی اس کا مالک ہوتا وہ خود اسے موت کی نیند سلا دیتا تاکہ یہ کسی دوسرے کے لیے خطرہ نہ بن سکے۔

دور مذکور میں پورے سیارے پر ایک ہی شخص کی حکومت تھی۔ اپنی تمام تر بے راہ رویوں کے باوجود یہاں کی اکثریت ایک ہی خدا کی قائل تھی جسے وہ اکثر ابوالعجائب کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ یہ عقیدہ تینوں اقوام میں یکساں تھا لیکن کچھ لوگ خدا کا استعمال اس

ذات واحد کے علاوہ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک وقت وہ بھی آیا جب یہاں کے بیشتر لوگ کسی نہ کسی سیارے اور اس میں بسنے والی مخلوق کے خدا بن چکے تھے۔

(۳)

اردبان کا ایک شینانی **بوتار** اپنے دو تکاشیوں کے ساتھ خلائے بسیط کی سیر پر تھا۔ یہ سیر محض تفریحاً نہ تھی۔ دراصل ابھی پچاس ساٹھ برس پہلے اس شینانی کو اپنی قوت کا ادراک ہوا تھا اور اس نے اسے بردے کار لا کر **دافن** اور **یک چشم** کی تخلیق کی تھی جو اس وقت بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ اردبان کے ایک زیر زمین شہر نخاشخی کا باشندہ تھا جہاں اس کے ہم مرتبہ لوگ کسی نہ کسی سیارے کے خدا کہلاتے تھے۔ چنانچہ وہ خود بھی کسی ایسے سیارے کی تلاش میں تھا جو زندگی کے علائم کا حامل لیکن غیر آباد ہو۔ تاکہ وہ اپنی تازہ حاصل کردہ قوت کو بردے کار لا کر اس سیارے کو نہ صرف ذہین مخلوق سے آباد کر سکے بلکہ اس مخلوق کو اپنی بندگی کے آداب سکھا کر نخاشخی میں سربلندی کے ساتھ رہ سکے۔ آج کی یہ سیر اسی ادھیڑ بن کا نتیجہ تھی۔ آج اسے اپنی کامیابی کی امید تھی۔ کیوں کہ پچھلے دنوں اس کے کچھ مستقبل دیدہ ہمدردجنوں نے اسے ایک زائچہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ابوالعجائب کی کائنات کے اس پراسرار اور طلسمی حصار میں وہ اس سیارے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا، جس کا نام خامس ہے تو اس کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ وہ مستقبل کی خدائی کے خواب دیکھ رہا تھا کہ اچانک **دافن** چیخ پڑا۔

''وہ دیکھیے آقا، اس روشن سیارے کی جانب۔ شاید یہی آپ کی منزل ہے''۔

''شاید تمہارا اندازہ درست ہے **دافن**''۔ **بوتار** نے غور سے اس سیارے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

فوراً ہی **بوتار** نے اپنے ذہن کے ایک مخصوص حصے پر زور ڈالا۔ ان تینوں کے جسم سے روشنی پھوٹی اور اگلے ہی لمحے وہ تینوں اس سیارے پر تھے۔ یہاں کا منظر دیکھ کر **بوتار** کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ چاروں طرف دلفریب سبزہ زار تھا۔ بڑے بڑے خوبصورت درخت تھے، ایک صاف شفاف رواں دریا اور ایک برف پوش پہاڑ اپنی عظمت اور بلندی کے ساتھ نظروں کی حدود میں اپنے وجود کا اعلان کر رہے تھے۔ انھوں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ دور دور تک کوئی ذی روح

انھیں دکھائی نہ دیا۔ وہ دریا کے کنارے پہنچے۔ پانی میں انھیں چند مچھلیاں نظر آئیں۔ **بوتار** نے ہاتھ بڑھا کر ایک مچھلی پکڑ لی۔ تھوڑی دیر تک وہ اس کی مختلف حرکات و سکنات پر غور کرتا رہا۔ پھر نفی میں گردن کو جنبش دیتے ہوئے اسے دوبارہ پانی میں چھوڑ دیا۔ جیسے جس چیز کی اسے تلاش تھی، یہ مچھلی اس کے حصول میں معاون نہ ہو سکتی تھی۔ ابھی وہ کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک درخت کے پیچھے اسے کچھ حرکت محسوس ہوئی۔ وہ اس طرف بڑھا تو ایک سیاہ ہیولیٰ خوف زدہ ہو کر بھاگا۔ لیکن وہ **بوتار** کی دسترس سے باہر نہ جا سکا۔ **بوتار** نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا۔ اس سے کچھ گفتگو کرنی چاہی۔ لیکن وہ خاموش رہا۔ جیسے اس کے پاس نہ تو اس کی باتیں سمجھنے کی صلاحیت ہے اور نہ بولنے کی۔ **بوتار** کو اس کا حلیہ پسند آ گیا تھا۔ وہ سر سے پیر تک بڑے بڑے سیاہ بالوں سے ڈھکا تھا۔ صرف چہرہ، دونوں ہاتھ اور پاؤں کے پنجے بالوں سے آزاد تھے۔ اس نے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔ **دافن** اور **یک چشم** کو کچھ اشارہ کیا اور اگلے ہی لمحے وہ اپنے سیارہ اردبان کے نخاشخی شہر کی اس زیر زمین تجربہ گاہ میں تھے جسے ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی **بوتار** نے اپنی قوت میں اضافے کی غرض سے تیار کیا تھا۔ **دافن** اور **یک چشم** کی پیدائش بھی اس تجربہ گار کی مرہون منت تھی۔

اس تجربہ گاہ کی یہ خصوصیت تھی کہ کوئی بھی بیرونی قوت اس کے اندر ہونے والے تجربات و دیگر حرکات کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ یہی نہیں اس سیارے کی ہر اس تجربہ گاہ میں یہ خصوصیت تھی جس کا مالک کسی سیارے کا خدا تھا یا خدا بننے کا متمنی تھا۔

دو دن بعد جب وہ اس تجربہ گاہ سے برآمد ہوئے تو بڑے بالوں والا وہ جاندار اپنی شکل بدل چکا تھا۔ اس کی صورت شکل اب نوشیوں جیسی تھی۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ یہی نہیں اب وہ بڑے آرام سے **بوتار**، **یک چشم** اور **دافن** سے گفتگو کر رہا تھا۔ یہ لوگ پھر سیارۂ خامس کے لیے روانہ ہوئے اور چند لمحوں میں وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے اس نئے وجود کو **ذکار** کا نام دیا اور اسے وہیں چھوڑ کر واپسی کا ارادہ کیا۔ اسی وقت **ذکار** زار و قطار رونے لگا۔

''تم رو کیوں رہے ہو **ذکار**''؟ **بوتار** نے پوچھا۔

''اب یہاں کی مخلوق مجھے اس نئی شکل کے ساتھ جینے نہ دے گی۔ کوئی مجھ سے ملنا جلنا پسند نہ کرے گا اور میں تنہائی کے ایک مسلسل عذاب میں مبتلا رہوں گا''۔ **ذکار** نے

اپنی پریشانی بتائی۔

بات معقول تھی **بوتار** نے **دافن** اور **یک چشم** سے مشورہ کیا۔ پھر **ذکار** کو زمین پر الٹا لٹا دیا۔ اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ بے ہوش ہوگیا۔ اس نے اس کی پشت چاک کی اور اس کی پسلی کا ایک حصہ باہر نکال لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہڈی ایک وجود میں بدل گئی۔ اس کی شکل **ذکار** سے ملتی جلتی تھی لیکن کچھ اعضائے جسمانی میں فرق تھا۔ اس کا سینہ **ذکار** سے زیادہ ابھرا ہوا تھا اور کمر کے نیچے کے اعضائے مختلف تھے۔ **ذکار** کو ہوش میں لانے کے بعد اس نے اس نئے وجود سے اس کا تعارف کرایا۔

''یہ **انوث** ہے''۔ **بوتار** نے **ذکار** کو بتایا۔ ''میں نے اسے تمہارے جسم سے پیدا کیا ہے۔ یہ تمہاری رفیق ہے اس سے تمہاری نسل آگے چلے گی''۔

اظہار تشکر کے لیے **ذکار** اس کے سامنے سجدے میں گر گیا۔ **بوتار** نے اسے اٹھایا اور **انوث** کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔ ''میں تم دونوں اور تم دونوں سے پیدا ہونے والی نسل کا معبود ہوں۔ تمہیں میری بندگی قبول کرنی ہوگی۔ شکر گزاری کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ تم اپنی اولادوں کو ہمیشہ تلقین کرتے رہنا کہ وہ کبھی میری عبادت سے غافل نہ ہوں۔ ورنہ تباہی و بربادی ان کا مقدر ہوگی اور جو لوگ میرے راستے پر چلتے رہیں گے، ان پر میرے انعام و اکرام کی بارش ہوگی''۔

''میں تمہاری مرضی کے سامنے سر جھکاتا ہوں''۔ **ذکار** بولا۔

''ارض خامس کی تمام نعمتیں تمہارے لیے ہیں۔ انھیں استعمال کرو۔ اس سرزمین پر موجود تمام اشیا، ذی روح و بے روح تمہارے تابع اور ملکیت میں ہوں گی۔ تم اپنی ذہانت سے ان سب پر حکومت کرو گے لیکن اگر تم میرے راستے سے منحرف ہوئے تو تمہاری آسائشیں سمٹنے لگیں گی۔ یہاں موجود ہر چیز تمہاری دشمن بن جائے گی اور زندگی تمہارے لیے وبال جان ہوگی''۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا میرے آقا''۔ **ذکار** اور **انوث** دونوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

اگلے ہی لمحے **بوتار** اپنے دونوں تکاشیوں کے ساتھ غائب ہو چکا تھا۔ اب اسے اردبان جا کر اپنے ہم مرتبہ لوگوں کو یہ خوش خبری دینی تھی کہ اب وہ کسی سے کم تر نہیں ایک سیارے

کا آقا ہے۔ خدائے خامس ہے۔ جس کی مخلوق کی زندگی اور موت اس کے اختیار میں ہے۔ وہ خوش تھا کہ اب وہ ان چند معزز شینانیوں میں سے ہوگا، جنھیں خدائے خدایان، سربراہ اردبان، **شاطون** اعظم کے دربان میں کرسی نشینی کا حق حاصل ہوگا۔

(۴)

آج نہ جانے ایسا کیا ہوگیا تھا کہ سارے اردبان میں ہنگامہ بپا تھا۔ لوگوں کو آمد و رفت میں پریشانی ہو رہی تھی۔ اردبان کی بیرونی سطح پر جا بہ جا کوہ آب افشاں مسلسل آب پاشی کر رہے تھے۔ چہار سمت سیلاب کا منظر تھا۔ اس سیلاب سے لاتعداد نوشیوں کی موت واقع ہو چکی تھی۔ کئی زیر زمین شہر خطرے میں تھے۔ ہر شخص کی زبان پر تھا کہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ کسی کو بھی ان عجیب و غریب واقعات کے واقع ہونے کا سبب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اچانک فضا میں ایک مرتعش آواز گونجنے لگی۔ یہ آواز ہر بستی، ہر کوہ و بیاباں، ہر شہر اور ہر ویرانے میں بیک وقت سنائی دے رہی تھی۔ کوئی اعلان کر رہا تھا۔
وقفے وقفے سے یہ آواز چہار دانگ اردبان میں گونج رہی تھی۔ پیغام رسانی کا یہ طریقہ صرف شاطون اعظم کے لیے مخصوص تھا جو اس کی لامحدود دنیائے کمالات میں سے ایک کا ادنیٰ اظہار تھا۔ یہ آواز سیارے کے ہر باشندے کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ اسے سن کر اہالیان سیارہ کے دلوں پر خوف کی پرچھائیاں گہری ہوگئیں۔ وہ پہلے ہی واقعات غیر متوقع سے پریشان تھے اور اب پیغام رسانی کے اس مخصوص طریقے کے استعمال سے وہ اور بھی گھبرا گئے تھے کیوں کہ یہ طریقہ چند مخصوص حالات میں ہی اختیار کیا جاتا تھا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ اردبان خطرے میں ہے۔

عزازیل

(۱)

''یہ جو نیکیوں کا صلہ موت کے بعد کی زندگی میں ملنے کی بات آپ کرتے ہیں، کیا اس پر یقین کرنے کی کوئی ٹھوس بنیاد ہے؟'' ایک طالب علم نے **عزازیل** سے پوچھا۔

''یقین، اعتماد اور عقیدے کی بنیادیں جب کمزوری کی جانب مائل ہوتی ہیں تو لوگ صرف ان باتوں کو ماننے لگتے ہیں جو ان کے پیش نظر ہوتی ہیں۔ ان دیکھی چیزوں پر ان کا یقین مرنے لگتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نظر کی حدود اور یقین سے اس کے رشتے اور تعلق کے بارے میں غور کیا جائے۔ تم دیکھو گے کہ ہماری نظر بہت محدود اور کمزور ہے۔ نہ تو یہ ہر جگہ پہنچ پاتی ہے اور نہ اس کے دریافت شدہ ہر سچ کو سچ سمجھا جا سکتا ہے۔ یقین کو نظر جیسی کمزور بنیاد پر کھڑا کریں گے تو ایک نہ ایک دن اس یقین کو منتشر ہونا اور بکھرنا ہے۔ اس کے لیے نظر کی نہیں علم کی رہنمائی کارآمد ہوگی''۔ **عزازیل** نے اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے تمہید بیان کی اور تمام شاگرد ہمہ تن متوجہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

''تمہارے سوال کی بنیادی بات یہ ہے'' **عزازیل** نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''کہ کیا موت کے بعد ایک زندگی کا تصور درست ہے۔ اگر اس موضوع پر تم صرف **عزازیل** کی رائے جاننا چاہتے ہو تو قسم ہے اس ذات واحد کی جس کے قبضۂ قدرت میں **عزازیل** کی جان ہے اور جو اس کائنات کا خالق ہے کہ موت کے بعد زندگی ہے اور وہ زندگی موجودہ زندگی کی طرح ناپائیدار اور فانی بنیادوں پر استوار نہ ہوگی۔ یہ عارضی زندگی تو محض آزمائش کے لیے ہے جس میں کردہ اعمال کی بنیاد پر دوسری دنیا میں لوگوں کے مراتب

کا تعین ہوگا''۔

''محترم، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بے یقینی اور ذہنی خلفشار کے جس عہد میں ہم جی رہے ہیں وہاں ایسی کسی بات پر یقین کرنا ممکن نہیں رہا ہے جس کے پیچھے کوئی منطقی استدلال نہ ہو''۔ **عزازیل** کے عزیز شاگرد **مازر** نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔''یہی وجہ ہے کہ لوگوں کا خالق کائنات پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ خدا اب محض ایک داستانی کردار ہے۔ اس کی جگہ قادر کل کے طور پر **شاطون** اعظم کو تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اس کی قدرت کاملہ کا اظہار سب کی نظروں کے سامنے ہے''۔

''کم از کم تمہیں یعنی شاگرد **عزازیل** کو ایسی زبان سے بچنا چاہیے''۔ **عزازیل** نے **مازر** کو تنبیہ کی اور اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔''منطق خود کمزور بنیادوں پر کھڑی ہے۔ آخر یہ ہے کیا۔ مسلسل تجربات کی روشنی میں پیش بینی، مختلف شواہد کے مدنظر فیصلے، مزاج فہمی کی بنیاد پر اعمال کے اندازے۔ لیکن یہ سب مہمل ہیں۔ اگر غور کرو گے تو تم دیکھو گے کہ خواہ تجربات ہوں، خواہ شواہد یا ہمارا مزاج، ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا کہتے وقت مراد نوشیوں یعنی خدا کی فطری مخلوق سے ہے۔ ان سے متعلق ہر چیز میں کسی بھی لمحے تبدیلی آسکتی ہے۔ اس لیے ان بنیادوں پر کیے گئے فیصلے درست کیسے ہوسکتے ہیں۔ علم ہم میں ان چیزوں پر یقین کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے جو دوسرے ذرائع سے ممکن نہیں ہوتا۔ یقین اختیاری نہیں ہوتا لیکن علم اختیاری ہے۔ اس کا اکتساب ممکن ہے۔ علم کا دائرہ لامحدود ہے اور یقین نہایت خاموشی سے کب اس کے دائرے میں آجاتا ہے پتہ بھی نہیں چلتا۔ علم کی منطق علٰحدہ ہوتی ہے۔ وہ جس طرح شاگرد کو استاد سے جوڑتی ہے، اسی طرح کائنات کا مشاہدہ اس کے خالق کی طرف رہنمائی سکھا دیتا ہے۔ یقین ہماری ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی۔ یقین کی دولت مل جانے پر بہت سے مسائل اور بہت سے سوالات کے جوابات خود بہ خود مل جاتے ہیں۔ اگر اس کائنات کا خالق ہے تو اس موت کے بعد زندگی بھی ہے''۔

عزازیل اپنے نرم اور موثر لہجے میں موجود افراد کے سامنے ایک نیا اور نامانوس زاویۂ فکر پیش کررہا تھا۔ ایک لمبی سانس لینے کے بعد وہ بولا۔''ہماری ترقیات اور علم نے جو شکل اختیار کرلی ہے اور ہم جس مرحلے پر آچکے ہیں وہاں ایک گمراہ کن خوداعتمادی نے سر ابھارا ہے۔ اسی خود

اعتمادی نے خدائی کی جگہ لینی شروع کر دی ہے۔ ہم نے اپنے فطری اذہان کو زیادہ معتبر بنانے کے لیے اس کا مصنوعی متبادل تلاش کر لیا تو ہم نے خود کو خدا کا متبادل بھی سمجھ لیا۔ لیکن اب یہ کون سمجھائے گا کہ نوشی کی سادہ لوحی میں جو ہمہ جہتی ہے وہ شینانی کی شاطرانہ چالوں کی یکجہتی میں گم ہوگئی ہے۔ پھر تکاشیوں کی تخلیق نے اس خیال پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ لیکن بنیادی سچائی یہ ہے کہ ذہن کا متبادل حاصل کر کے ہم نے جس معصومیت کو کھو دیا ہے اس میں ہمہ جہتی کی صفت تھی۔ اس میں اپنے ہی خیالات کی تردید کر کے نئے خیالات کو قبول کرنے کی صلاحیت تھی۔ وہ اچانک مخالف اور متضاد فیصلے لے سکتی تھی۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم نے ارتقا کے اس تاریک اور بھیانک جنگل میں کیا کچھ گنوا دیا ہے''۔ **عزازیل** نے کچھ دیر توقف کیا۔ اس درمیان اس نے حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ جیسے اندازہ کر رہا ہو کہ اس کی باتوں پر کون کتنی توجہ دے رہا ہے۔

''شاگردان عزیز اور طالبان علم، اگر تم **عزازیل** جیسے حقیر شخص پر اعتماد کر کے علم کی دولت حاصل کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہو تو تمہارے دلوں میں خدا سے محبت کا راستہ بھی کھل سکتا ہے۔ کیوں کہ **عزازیل** کے علم پر یقین کے پیچھے جو شے کارفرما ہے اس کی توسیع تم میں خداشناسی کی صفت پیدا کر دے گی۔ تمہیں اپنے خالق کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ تم اب بھی مکمل اور فطری جن ہو۔ حضرت **طارہ نوث** کے صحیح وارث۔ ہر خداداد اچھائی اور برائی سے آراستہ۔ تم اور صرف تم ہی ہو جو خداشناسی کا سفر کرنے کے اہل ہو۔ اور اگر اس سیارۂ عظیم میں اصلاح کی کوئی امید ہو سکتی ہے، بہتری کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے تو اس کی بنیاد تم ہی ہو سکتے ہو۔ شینانیوں اور تکاشیوں سے کسی قسم کی امید اب فضول ہے۔ وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ فطری ذہن کے مالک نہیں رہے۔ اس لیے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ مقدس **طارہ نوث** کی وراثت کو محفوظ رکھنا ضروری نہیں سمجھا بلکہ اسے پس ماندگی کی علامت بنا دیا ہے''۔

''کیا حصول علم واقعی ضروری ہے''۔ اب کی بار **غویص** نے پوچھا تھا۔

''ہاں''۔ **عزازیل** نے کہا۔ ''لیکن اس کی سمت اور حدود کا تعین ہونا چاہیے۔ یہ حد ہر شخص کی صلاحیت اور طرز فکر کی بنیاد پر علٰحدہ علٰحدہ ہو سکتی ہے۔ یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہماری نسل فیضان علم ہی کے عذاب میں مبتلا ہے۔ علم رحمت بھی ہے، عذاب بھی۔ علم خیر بھی ہے شر

بھی۔علم کا رشتہ روح سے استوار ہوتا ہے تو خدا شناسی کا راستہ کھلتا ہے لیکن یہی رشتہ اگر جسم سے جڑ جاتا ہے تو گمراہی علم کا مقدر ہو جاتی ہے۔ یہ طالب علم پر منحصر ہے کہ وہ اسے کس حیثیت سے قبول کرتا ہے۔علم احترام کی بنیاد ہو سکتا ہے لیکن محبت علم کے مقابلے میں احترام کی زیادہ مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔ بشرطیکہ دل کے افق پر اس کا طلوع ممکن ہو سکے''۔

عزازیل کا درس جاری تھا کہ یکا یک میدان میں تیز ہواؤں نے حملہ کر دیا اور چند لمحوں میں اس نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ یہ طوفان معمول سے مختلف اور عجیب تھا۔ ساری زمین سرد ہونے لگی تھی۔اتنی سرد کے لوگوں کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔رفتہ رفتہ زمین کا رنگ سرخ سے سفید ہونے لگا۔شاگرد بے چین اور خوفزدہ تھے اور سہمی نگاہوں سے استاد کی جانب دیکھ رہے تھے۔شدت خوف سے ان کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں۔

خود **عزازیل** کے چہرے پر بھی خوف کی پرچھائیاں تیر رہی تھیں۔وہ بڑبڑا رہا تھا۔ ''سب کچھ غارت ہونے والا ہے۔میری ساری محنت کیا یوں ہی رائگاں چلی جائے گی۔ نہیں خدائے قادر کو اپنا یہ فیصلہ بدلنا ہوگا۔ میں اسے راضی کروں گا۔کیا میری عبادتوں اور ریاضتوں کا یہی انجام ہونا تھا۔نہیں بالکل نہیں۔ یہ تو فنا کے آثار ہیں۔لیکن ابھی فنا کا عمل شروع نہیں ہونا چاہیے۔اس لیے کہ میرے آبائی تخت حکمرانی پر **شاطون** قابض ہے۔ میں اس تخت کا جائز وارث ہوں۔وہ تخت میرا ہے۔میرا''۔**عزازیل** کے چہرے کا رنگ لمحہ بہ لمحہ بدلتا جا رہا تھا۔

ایک اور شاگرد عربد نے استاد کے چہرے کے بدلتے رنگ کو دیکھ کر پوچھنے کا حوصلہ کیا۔''عالی مرتبت **عزازیل** مقدس، یہ کیسی ہوا ہے؟ جو آگ کی دشمن ہے، جو گرمی کو سرد کر رہی ہے۔جو ہماری سانسوں کو روک دینے کے درپے ہے۔کیا وہ وقت آگیا ہے جس کا ذکر آپ اکثر کرتے رہتے ہیں''؟

''نہیں''۔**عزازیل** کے منہ سے یہ لفظ اس طرح نکلا کہ عربد بھی گھبرا گیا۔''نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ فنا کا نزول ہو۔ابھی تو اس سرزمین پر **عزازیل** جیسے نیک نفس معلم اور تم جیسے معصوم متعلم موجود ہیں۔قسم ہے ابوالجن حضرت **طارہ نوث** کی، جنھوں نے فرمایا تھا کہ جب تک جنوں کی اس سرزمین پر ایک بھی نیک نفس، ایک بھی خدا پرست موجود ہوگا، فنا کا عمل شروع نہیں ہوگا۔نہیں یہ قیامت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ابھی میں

موجود ہوں، تم موجود ہو۔۔۔۔۔ابھی میں ہوں، ابھی تم ہو۔۔۔۔۔''۔

عزازیل پر جیسے کوئی دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ بس یہی جملہ دہرائے جا رہا تھا۔ اپنے استاد محترم کو اس حالت میں دیکھ کر وہ شاگرد بھی جو ابھی تک اپنے ہوش وحواس میں تھے، کچھ اور ڈر گئے۔ انھیں لگا کہ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسی موسم کی تبدیلی اور طوفان بلا کی وجہ سے ہے۔ لیکن انھیں یقین تھا کہ اس سرزمین پر **عزازیل** ہی وہ واحد شخص ہے جو انھیں اس عذاب سماوی سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس وقت تو خود اوستاذی مقدس کی حالت ہی قابل رحم تھی۔

اچانک انہوں نے دیکھا کہ اوستاذی **عزازیل** نے میدان میں ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا ہے، انہوں نے **عزازیل** کے پیچھے چلنے کی کوشش کی تو **عزازیل** نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا تھوڑی دیر کی مسافت کے بعد **عزازیل** کے سامنے نہ وہ میدان تھا اور نہ شاگردوں کا ہجوم۔ اس کے قدم ایک شناسا ویرانے میں رکے جہاں کوئی دوسرا ذی روح نہ تھا اس نے ایک نسبتاً گرم چٹان کا انتخاب کیا اور اس پر دراز ہو کر غور وفکر میں ڈوب گیا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ کیا میرا راز فاش ہو چکا ہے۔ کیا اہی رامن، اہرمن اور رامن کا راز طشت از بام ہو گیا۔ اگر ہاں تو میں اس خوش فہمی میں کیسے مبتلا تھا۔ اور اگر نہیں تو میری عبادتوں کے زیر اثر فنا کو ٹل جانا چاہیے تھا۔ کیا میرا سلسلہ ہفت تولید اور ہر بار اس امکان کو ٹالنے کی کوشش بیکار گئی، کیا اب بھی مجھ میں ایسا کوئی نقش، ایسی کوئی علامت موجود ہے جو میری پہچان بن سکے۔ نہیں بالکل نہیں۔ میرا یہ منصوبہ بہت احتیاط سے بنا تھا۔ یہ راز میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ میرا رفیق جلیل **جبرئیل** بھی نہیں۔ اس لیے کہ میں نے اس راز کو کبھی شرمندہ لسان ہی نہیں ہونے دیا۔

لیکن یہ ہے تو قیامت ہی۔ کیا میں وہ نیک بندہ نہیں ہوں جو **طارہ نوث** مقدس کے مطابق قیامت کو روکنے کا سبب بن سکتا۔ یقینا نہیں۔ یعنی میں بھی شمینانیوں اور تکاشیوں کی طرح گمراہ ہو چکا ہوں۔ اس کے باوجود کہ میں نوشی ہوں۔ میرے شاگرد بھی معصوم نہیں ہیں۔ یہ باد سرد ثبوت ہے اس بات کا کہ میں خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ نیکی مفقود ہو چکی ہے۔ میں بھی اب اس کے دائرے کار سے باہر ہو چکا ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ میری عبادتیں، میری خدا پرستی محض اس ادنیٰ مقصد کی تکمیل کے لیے ہی تو ہیں کہ اس سیارہ عظیم کی حکمرانی اور سربراہی مجھے مل جائے۔ میں **شاطون** اعظم کی جگہ کا طلب گار ہوں تو میری عبادتیں اور میری نیکیاں بے لوث کہاں رہیں، حب خدا خالص کہاں رہا۔ کچھ بھی ہو میں **شاطون** اعظم کے تخت سے دست بردار تو نہیں ہو سکتا۔ مجھے وہ تخت چاہیے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ فنا کا عمل ملتوی ہو۔ مجھے اور سرعت سے لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرنا ہوگا۔ اگر میں نے ایک بھی معصوم اور نیک جن تیار کر لیا تو وہ میرا سب سے بڑا ہتھیار ہوگا۔ قیامت کو روکنے کا بھی اور اپنے دیرینہ مقصد کے حصول کا بھی۔ میں یہ کام کر سکتا ہوں، میں یہ کام کر لوں گا۔

اب اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ جیسے اسے اپنے ارادے کے انجام کا علم ہو جیسے اسے اپنی کامیابی کا یقین ہو۔ اب سرد ہوائیں کچھ تھم گئی تھیں۔ وہ اٹھا اور ایک نامعلوم منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

ادھر باد بلا کی اس مختصر مدت میں تعلیم گاہ کا میدان تہ و بالا ہو چکا تھا، سرد ہواوں کی تاب نہ لا کر لاتعداد طالب علم موت کی نیند سو چکے تھے۔ رفتہ رفتہ ان ہواوں کا زور ٹوٹا تو زمین کی فطری گرمی واپس آنے لگی۔ اور وہ طالب علم جن کا تنفس ابھی برقرار تھا، ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ انہوں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ چاروں طرف یا تو ان کے ساتھیوں کی لاشیں تھیں یا وہ بے ہوش پڑے تھے۔ استاد محترم کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ ان کی متلاشی صدائیں جواب سے محروم رہیں اور ان کی نگاہیں ہدف مراد سے دور۔ اپنے دل میں استاذی پر لعنت بھیجتے ہوئے وہ اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چلے گئے۔ ہر شخص کی زبان پر بس ایک ہی دعا تھی کہ انہیں اس عذاب سے نجات ملے۔ البتہ ان دعاوں کا رخ کہیں خالق کائنات کی جانب تھا اور کہیں **شاطون** اعظم کی طرف۔

(۲)

اپنے آبائی شہر دوتان سے تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر واقع کوہ درخان پر اس وقت **عزازیل** ایک خفیہ غار میں تھا جو اس کی کارگاہ بھی تھا اور اس کی اس قوت کا سرچشمہ بھی،

جس سے قوی دوراں **شاطون** اعظم بھی خوف زدہ رہتا تھا۔ **عزازیل** کا تعلق چونکہ نوشیوں سے تھا اس لیے اس کی ذہانت مکمل طور پر فطری تھی۔ اس نعمت کی اپنی حدود اور اپنی خوبیاں اور خرابیاں تھیں۔ اگرچہ اس قبیلے کی ذہانت بھی محدود تھی اور علم بھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے جسم کو مصنوعی چھیڑ چھاڑ سے دور رکھا تھا، پھر بھی **عزازیل** اوروں سے مختلف تھا۔ اس میں کچھ تو خداداد صلاحیتیں تھیں اور کچھ اس نے شینانیوں اور تکاشیوں کو اپنی فطری ذہانت کی متنوع قوت سے زیر کر کے اور انہیں اپنا غلام بنا کر حاصل کر لی تھی۔ یہ غار اس کی جملہ قوتوں کا مرکز تھا۔ جو اس اعتبار سے بھی محفوظ تھا کہ دوسروں کو اس خفیہ جگہ کی خبر نہ تھی۔ اور اس اعتبار سے بھی کہ یہاں **عزازیل** کی مرضی کے بغیر کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ مداخلت بے جا کرنے والے کو اس کے صدر دروازے پر ہی ایسا سبق مل جاتا تھا کہ وہ آگے بڑھنے کے لائق نہیں بچتا تھا۔ یہ غار **عزازیل** کی ذہانت کا ایک جیتا جاگتا موجود نمونہ تھا کہ نوشی ہونے کے باوجود اسے کئی معنوں میں تکاشیوں جیسی قوت اور شینانیوں جیسی لامحدود ذہانت حاصل تھی۔

لوگ **عزازیل** کا موازنہ اکثر **شاطون** سے کیا کرتے تھے کہ دونوں مثالی قوت کے نمائندہ بھی تھے اور ناقابل تسخیر بھی، فرق تھا تو بس اتنا کہ ایک پر فطری صلاحیتوں کا غلبہ تھا اور دوسرے پر مصنوعی اور اکتسابی قوت کا۔ ایک خدا کی قدرت کا مظہر تھا تو دوسرا فرد کی ذہانت ،صناعی اور ترقی کا۔ جس دور کا یہ ذکر ہے وہ فطرت پر صنعت کی برتری، حق پر ناحق کی حکمرانی اور خیر پر شر کی بزرگی کا دور تھا۔ اسی وجہ سے **عزازیل** مقدس کی ذہانت کے مقابلہ میں **شاطون** اعظم کی ذہانت کے معترف و مداکثریت میں تھے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ **شاطون** اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کا شوقین تھا اور **عزازیل** کو اپنی قوت پوشیدہ رکھنا اور خفیہ طور پر اس کا استعمال کرنا مرغوب تھا۔

آج جب وہ اس غار میں داخل ہوا تو بے حد پریشان تھا۔ دد دروازے پر موجود تکاشی غلام نے شاید اسی وجہ سے اس کی خیریت دریافت کر لی تھی لیکن عزازیل کو اس کا یہ عمل گستاخانہ لگا تھا۔ اس نے غضب ناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس غلام کی آنکھیں بے نور اور تاریک ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر دروازے کی دوسری طرف کھڑا تکاشی ڈر گیا۔ اس نے فوراً اپنی نگاہیں دروازے پر مرکوز کر لیں۔ اندر

پہنچنے کے بعد عزازیل اس بستر پر لیٹ گیا جو مسائل عمیق غور وخوض اوران کوحل کرنے ،میں معاون تھا۔اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

اس تفکر کا سبب یہ نہیں تھا کہ عنقریب یہ دنیا تباہ ہونے جارہی ہے۔ بلکہ وہ اس لیے فکر مند تھا کہ اس کا اپنا مقصد ابھی پورا نہیں تھا۔ابھی اسے شاطون اعظم کواپنے قدموں پر جھکا ہوارحم کی بھیک مانگتے دیکھنا تھا۔اس وقت اس کی عمر محض دوسو برس تھی۔اوراب جب کہ شاطون کے ذریعے اس کے والدین کوسزائے موت دئے ہوے دوہزار سال سے زیادہ ہوچکے تھے،۔اس نے ایک ایک لمحہ شاطون سے انتقام کی ترکیبیں سوچتے اور اپنی قوت میں اضافہ کرنے میں صرف کیا تھا۔اس مرحلے تک پہنچنے میں اس نے نہ جانے کتنی قربانیاں دی تھیں۔اورنہ جانے کتنی دشواریوں کا سامنا کیا تھا۔یہ قربانیاں بے نتیجہ بھی نہ تھیں۔اب شاطون اس کی قوت سے خوف زدہ رہنے لگا تھا۔اب وہ وقت اسے قریب دکھائی دے رہا تھا جب عہد شاطون زوال سے ہم کنار ہوگا اور وہ خودسر براہ اردبان اور عزازیل اعظم بن جائے گا۔اب جب کہ منزل اس کی دسترس میں تھی، اچانک خدائے بزرگ وبرتر نے فنا کی ٹھان لی تھی۔ظاہر ہے اس میں خدا سے ٹکرانے کی اہلیت نہ تھی اور نہ ایسا ارادہ کرنا اس کے لیے مفید وقرین مصلحت تھا۔ورنہ شاید وہ یہ بھی کرگزرتا۔حالانکہ وہ عابدوزاہد بھی تھا اورخدا سے بے پناہ محبت کا مدعی بھی۔

بستر فکر پر دراز اسے کافی وقت ہوگیا اور مسئلے کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آیا تو اسے اپنے رفیق جلیل جبرئیل کی یاد آئی، جو ہر مشکل وقت میں اس کی مدد کرنے کو آمادہ رہتا تھا ۔ہاں اس کی مصروفیات حضوری اور قربت خداوندی کے سبب اس سے ملاقات آسان نہ تھی ۔اس نے سوچا کیوں نہ وہ عرش اصغر پر جاکر فرشتہ رابطہ سماریل سے ملے اور جبرئیل سے ملاقات کے بارے میں استفسار کرے۔یہ خیال آتے ہی اس نے اپنے شیناتی غلام بزبک کوآواز دی اوراسے حکم دیا کہ وہ اس کے عرش اصغر پر جانے کا انتظام کرے۔

تھوڑی دیر بعد اس کے دو تکاشی غلام ہراموز اور بکاترا ایک آرام دہ تخت رواں کے ساتھ اس کے سامنے حاضر تھے۔وہ آرام سے اس پر نیم دراز ہوگیا اور وقت کی ایک مختصر لیکن معین مدت میں وہ خلائے بسیط کی جانی پہچانی منزلیں طے کرکے عرش اصغر پر ان فرشتوں کے سامنے تھا جو عرش کے اس حصے کی نگہداشت پر مامور تھے۔جبرئیل سے

قربت کی بنا پر **عزازیل** فرشتوں کے لیے شناسا اور محترم تھا۔ چنانچہ بغیر کسی توقف کے اسے فرشتہ رابطہ تک پہنچا دیا گیا۔ سماریل نے اسے نشست فراہم کی اور آنے کا سبب دریافت کیا۔ **عزازیل** کے بتانے پر اس نے عرش اکبر پر **جبرئیل** کو اس کے آنے کی اطلاع پہنچائی۔ یہ **عزازیل** کی خوش قسمتی ہی تھی کہ **جبرئیل** مصروف نہ تھا اور اطلاع ملتے ہی عرش اصغر پر آ گیا تھا۔ دونوں دوستوں کی یہ ملاقات کافی وقفے سے ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہی وہ آپس میں لپٹ گئے۔ ابھی دوسرے فرشتے اس رفاقت کو رشک سے دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک **جبرئیل** کو اپنے رفیق دیرینہ کے مغموم ہونے کا احساس ہوا۔

''کیا بات ہے **عزازیل**، تم کچھ پریشان نظر آتے ہو''۔ اس نے پوچھا۔

''ساکنان عرش **عزازیل** کو سکون سے رہنے دیں تب نا''۔ **عزازیل** نے مغموم لیکن طنزیہ لہجے میں کہا۔ اس وقت کی پریشانی کا سبب خود تم اور تمہارے اراکین کار ہی ہیں۔ مجھے صاف صاف بتاؤ **عزازیل** کہ تمہاری پریشانی کیا ہے''۔ **جبرئیل** نے کہا۔ ''کیونکہ میں یا میرے شریک کار وہی کرتے ہیں جو قادر مطلق کا حکم ہوتا ہے''۔

اردبان پر آثار فنا کا جو کھیل چل رہا ہے وہی **عزازیل** کی تشویش کا سبب ہے۔ **عزازیل** نہیں چاہتا کہ اردبان کو ابھی تباہ کیا جائے''۔

'' لیکن تمہیں تو اسے وصال حق کی نوید سمجھتے ہوئے خوش ہونا چاہیے تھا **عزازیل**''۔

''نہیں ہر اموز اہل اردبان کو نیک بننے کا کچھ اور وقت ملنا چاہیئے۔ **عزازیل** کی کوشش جاری ہے۔ وہ ناکامی کا الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتا اور نہ یہ گوارہ کر سکتا ہے کہ **بنوطارہ نوث** میں سے ایک بھی فرد انوار خداوندی کے حصار میں آنے کا مستحق نہ ہو''۔

تمہارا جذبہ قابل قدر ہے **عزازیل** لیکن اس خواہش کی تکمیل میرے حدود اختیار سے باہر ہے۔ پھر بھی میں خدائے ذوالجلال سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔ تمہاری عبادات اور نیک نفسی اور تم سے اپنی رفاقت کا حوالہ دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ خدا اس نیک نام کے لیے تمہیں کچھ اور مہلت دیدے گا''۔ یکا یک **جبرئیل** نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اگر تم تھوڑی دیر یہاں رکو تو میں کچھ دیر بعد ہی اس سلسلے میں خدا کے قطعی فیصلے سے

تمہیں آگاہ کرسکتا ہوں''۔

''یہ بہتر ہوگا'' **عزازیل** نے کہا۔ اور دوسرے ہی لمحے **جبرئیل** عرش اکبر کی پہنائیوں میں مائل پرواز تھا۔ **عزازیل** ابھی دوسرے فرشتوں سے محو گفتگو تھا کہ **جبرئیل** واپس آگیا۔ اس کا چہرا کھلا ہوا تھا، جس سے اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ اس کے پاس **عزازیل** کے لیے کوئی خوش خبری ہے۔

''مبارک ہو **عزازیل**۔ خدا نے تمہاری تمنا پوری کی۔ تمہیں پورا ایک دن میسر ہے کہ تم اپنے لوگوں کو راہ راست پر لاسکو''۔

ایک آسمانی دن، یعنی تقریباً دوسوا ردبانی سال۔ **عزازیل** نے دل ہی دل میں دہرایا، پھر بولا۔ ''وقت کچھ کم ہے۔ پھر بھی غنیمت ہے۔ **جبرئیل** تم نے اس وقت **عزازیل** کی بہت بڑی مشکل آسان کردی ہے۔ **عزازیل** خدائے قدیر کے اس احسان کے لیے سجدہ گزار ہے کہ قادر مطلق نے اس حقیر کی خواہش کو تکمیل سے ہم کنار کردیا''۔

''مگر **عزازیل**، یہ لحہ فنا تو ٹل گیا لیکن وقتاً فوقتاً اس کے ظہور کے آثار اسی طرح رونما ہو تے رہیں گے''۔ **جبرئیل** نے بتایا۔

عزازیل کے چہرے پر آزردگی کے نقوش ابھرے لیکن وہ بولا۔ ''یہ تو **عزازیل** کے لیے معاون ہی ہوگا۔ لوگ خوف کے زیر اثر **عزازیل** کی باتیں ذرا غور سے سنیں گے اور اس کی کامیابی کو یقینی بنانے میں مدد دیں گے''۔

جبرئیل کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ جیسے وہ خدا کی مصلحت سے واقف ہو۔ جیسے وہ جانتا ہو کہ **عزازیل** کو وقت ضرور مل گیا ہے لیکن یہ وقت منشائے خداوندی کے بغیر کامیابی کی ضمانت بہر حال نہیں بن سکے گا۔

اب **عزازیل** کو واپسی کی جلدی تھی۔ اس نے **جبرئیل** سے رخصت کی اجازت لی۔ وقت کم تھا اور کام بہت زیادہ۔ فوراً وہ اپنے تخت رواں تک آیا اور خیال کی رفتار سے خلائے بسیط میں تیرنے لگا۔ کچھ دیر میں وہ کوہ درخان پر واقع اپنی تجربہ گاہ میں تھا۔ اب اس کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جیسے **شاطون** سے ٹکرانے کا کوئی مناسب لائحہ عمل اس کے ذہن میں ترتیب پا چکا ہو۔

(۳)

عزازیل نے طے کیا تھا کہ وہ ان دوسو سالوں کا استعمال اس طرح کرے گا کہ اس بار ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ سیارہ اردبان کی سربراہی کا مسئلہ اب اس کے لیے محض انتقام نہ تھا بلکہ اب یہ اس کی صلاحیتوں کی آزمائشا اور وقار کا مسئلہ بن گیا تھا۔ **شاطون** اعظم کی قوتیں اب اس کے دائرہ علم میں تھیں اوران کا توڑ وہ جانتا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ خود ایک نازک اور کمزور جسم کا مالک ہے اور ذرا سی بے احتیاطی اسے نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اس کے لیے اسے بڑے پیمانے پر شبینانیوں اور تکاشیوں کی ضرورت تھی۔ اس نے پہلے ہی کچھ شبینانیوں کو اپنا وفادار بنالیا تھا اور اب وہ سب اپنے ذوق تعمیر وتخریب کو **عزازیل** کے حق میں اور اپنی قوت نمو کا استعمال **عزازیل** کے حامی تکاشیوں کی افزائش کے لیے صرف کررہے تھے۔

اس نے سوچا تھا کہ آرام کو خود پر حرام کر کے وہ ایک ایک چپہ کا دورہ کرے گا۔ وہ لوگوں کی خدمت کرے گا، ان کی مدد کرے گا، ان کی قربت اور رفاقت حاصل کرے گا، ہر مشکل میں ان کا ساتھ دے گا، ان کے مسائل حل کرنے کے لیے اپنے علم کو بروئے کار لائے گا۔ وہی کرے گا جو ان کی فوری ضرورت ہوگی تا کہ وہ اسے اپنا ہمدرد جانیں، لیکن اس بات کا لحاظ رکھتے ہوے کہ ان تمام کاموں سے اس کی عبادات اور یاد خداوندی کا معمول متاثر نہ ہو۔ وہ خدا سے دعا کرے گا کہ اس کی مشکل آسان کردے۔ اور اس کی دیرینہ خواہش کی تکمیل میں مدد دے۔

ویسے اسے اپنی صلاحیتوں پر اپنی دعاؤں سے زیادہ اعتبار تھا۔ عبادت اور دعائیں تو اب اس کی عادت ثانیہ اوراس کی عظمت کی علامات تھیں، جنہیں ترک کرنا شاید اب اس کے اختیار میں بھی نہیں تھا۔ اس کے لیے عبادت روایت بن چکی تھی۔ اس روایت نے حق کی روح کو مجروح کیا تھا۔ اس کے علم اور عبادت نے اس کے تکبر کو تقویت دی تھی اپنے سامنے وہ ہر شے کو حقیر سمجھتا تھا۔ اس امکان سے یکسر انکار بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ تخت اردبان حاصل ہونے پر وہ خدا کے خلاف ہی علم بغاوت بلند کردے اس کے مزاج کی کجی سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ شاید وہ نہیں جانتا تھا کہ خدا کو اس کے دل میں اٹھنے والی ہر ہلچل کا علم تھا۔ وہ اس کے حال ہی نہیں مستقبل سے بھی واقف تھا۔ شاید اسے نہیں

معلوم تھا کہ **جبرئیل** کی سفارش پر اسے مہلت اس لیے نہیں ملی تھی کہ خدا اس کی عبادتوں کے فریب میں آ گیا تھا بلکہ یہ مہلت اس لیے دی گئی تھی کہ خدا اپنے مقرب فرشتے کی سفارش کو رد کر کے اسے مغموم کرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ اپنی تجربہ گاہ سے باہر نکلا۔ اس کا ارادہ زیر زمین شہر نخاشخی اور آبادی سے دور بیرونی سطح پر واقع وادی ترگان جانے کا تھا جہاں کے لوگ اس کی تعلیمات کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس نے وہ زرق برق ملبوس ساتھ میں رکھ لیا تھا جو نخاشخی میں زیب تن کیا جاتا تھا۔ وہ نخاشخی میں قبائلیوں کے حلیے میں جانا پسند نہیں کرتا تھا کہ یہاں کے باشندے لباس سے لوگوں کی عزت وعظمت کا اندازہ کرنے کے عادی تھے۔ اس کے ساتھ ایک تکاشی بادرفت بھی تھا جو اس کی مسافت کو قوت پرواز دینے اور آسان بنانے کے لیے طلب کیا گیا تھا۔ اس نے بادرفت کو حکم دیا کہ وہ اسے نخاشخی کے صدر دروازے تک پہنچا دے۔

وہ شہر نخاشخی کے باب داخلہ پر پہنچ چکے تھے۔ **عزازیل** نے اپنا لباس زیب تن کیا اور بادرفت کو ساتھ لے کر شہر کی سیڑھیاں اترنے لگا۔

ابھی اس نے سڑک پر قدم رکھا ہی تھا کہ اس کی ملاقات **بوتار** سے ہو گئی۔ **عزازیل بوتار** سے واقف تھا۔ لیکن آج اس کی شخصیت میں بڑی تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں اس کے سر کے دو مصنوعی سینگ آج قیمتی پتھروں سے مزین تھے جو اس بات کی علامت تھی کہ اب اسے **شاطون** اعظم کے کرسی نشینوں میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح تھا کہ اس نے ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط پوری کر لی ہے جو اس مرتبہ کے لیے ضروری ہیں۔ اس سے پہلے کہ **عزازیل** اسے مخاطب کرتا **بوتار** کی پر تکبر آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''**عزازیل** مقدس خبردار تیرے پیش نظر خدائے خامس، مرد مردان **شاطون**، خالق ذکارو انوش **بوتار** ہے، جس کا احترام تجھ پر لازم ہے،،۔

بوتار کو اس کے اس غرور کی سزا دینا **عزازیل** کے دائرۂ اختیار سے باہر نہ تھا۔ لیکن وہ تو اس وقت خیر سگالی کی مہم پر نکلا تھا۔ چنانچہ جواب میں اس نے اپنا سر جھکایا اور بولا۔ ''خدائے خامس، **بوتار** کا احترام **عزازیل** پر واجب ہے۔ لیکن اسے اس کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ **عزازیل** نے اس کے بارے میں جو سوچ رکھا تھا۔ اس کے مقابل یہ مرتبہ

بہت معمولی ہے۔ **عزازیل** کو حیرت اور افسوس ہے کہ **بوتار** جیسا غیر معمولی شینانی اتنی حقیر یافت پر تکبر سے اکڑ کر چل سکتا ہے۔ افسوس کہ **عزازیل** تو اسے مرد مردان **شاطون** نہیں بلکہ تخت **شاطون** پر دیکھنا چاہتا تھا اور آج اسی لیے اس سے ملاقات کی غرض سے اس شہر نامراد تک آیا تھا'' ۔**عزازیل** نے اپنی محبت کا پانسہ پھینکا۔

یہ سن کر **بوتار** کی اکڑی ہوئی گردن نرم ہوگئی۔ تخت **شاطون** کی ترغیب معمولی نہ تھی۔ اور یہ بات کہنے والا کوئی اور نہیں خود **عزازیل** تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اور قصر **شاطون** سے متعلق کچھ لوگوں کی زبانی اس نے یہ بھی سنا تھا کہ خود **شاطون** اعظم بھی اس سے خوف زدہ رہتا ہے۔ اس نے **عزازیل** سے اپنی بے ادبی کی معافی طلب کی اور اس سے اپنے رہائش تک چلنے کی درخواست کی۔ **عزازیل** کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے بادرفت کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور **بوتار** کے ساتھ اس کے گھر کی جانب چل پڑا۔

آتش محلول کا ایک ایک پیالہ پینے کے بعد دونوں کے درمیان گفتگو شروع ہوئی۔ بادرفت خاموش کھڑا تھا کہ اسے کچھ کھانے پینے کی حاجت نہیں ہوتی تھی۔

''میں **عزازیل** مقدس کے ارشادات گرامی سننے کو بے تاب ہوں'' **بوتار** جیسے اب انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

''اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی'' **عزازیل** نے کہا اور **شاطون** اعظم کے تخت کے وارث کو نہایت متحمل اور بردبار ہونا چاہیے۔ **بوتار**، تمہیں چاہیے کہ تم اپنی کمزوریوں کو کبھی دوسروں کے سامنے ظاہر نہ ہونے دو۔ خواہ وہ **شاطون** اعظم یا **عزازیل** ہی کیوں نہ ہو''۔ **عزازیل** نے اسے تنبیہ کی اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''ایک طرح سے اچھا ہی ہوا کہ تمہاری رسائی قصر **شاطون** تک ہوگئی۔ شاید اب **عزازیل** کی مدد پہلے سے زیادہ تمہارے کام آسکتی ہے ایک بات کا لحاظ رکھنا کہ دربار **شاطون** کے کسی فرد کو بھی اس بات کا احساس نہ ہونے پائے کہ **عزازیل** اور تمہارے درمیانکوئی تعلق ہے۔ اگر کبھی ہماری ملاقات برسر دربار ہو بھی تو ہم دو اجنبیوں کی طرح ملیں گے۔ بھلے ہی ضرورت محسوس ہو کہ اس وقت ہمارے دوست کو ہماری شدید ضرورت ہے۔ ہم ایک دوسرے کو مرتا ہوا بھی دیکھیں تو شناسائی کا اظہار نہ ہونے دیں۔ بات تمہاری سمجھ میں آئی''۔ **عزازیل** نے پوچھا،

حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی پیچ در پیچ سازش کو سمجھنا کسی بھی شینانی کے لیے آسان نہیں ہے۔

''کچھ کچھ'' **بوتار** بولا۔

''ٹھیک ہے'' **عزازیل** نے کہا۔ ''تمہیں زیادہ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ کام **عزازیل** کا ہے۔ اس پر یقین رکھو۔ **شاطون** سے اسے بہت پرانا بدلہ چکانا ہے۔ اس سے اپنی وفاداری کا ڈھونگ جاری رکھتے ہوئے۔ **عزازیل** کی اتباع کو اپنے لیے لازم سمجھو۔ تخت کے حصول سے پہلے بھی اور اس پر بیٹھنے کے بعد بھی۔ یقین جانو کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے **عزازیل بوتار** کو **بوتار** اعظم کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا تھا''۔

'' میں تاحیات **عزازیل** مقدس کا ممنون احسان رہوں گا''۔

''بس اب **عزازیل** رخصت چاہے گا''۔ **عزازیل** نے کہا۔ ''**عزازیل** کو ابھی وادی ترگان جا کر بعض اہم کام انجام دینے ہیں۔ جلد ہی پھر ہماری ملاقات ہوگی''۔

شاطون اعظم ۔۔۔نہ۔۔نہ۔۔۔خدائے قادر **عزازیل** مقدس کی حفاظت کرے'' **بوتار** کے منہ سے نکلا۔

عزازیل واپس لوٹا تو وہ سوچ رہا تھا کہ **بوتار** کو اس کی آج کی گستاخی کی سزا دینا بہت ضروری ہے۔

اور **بوتار عزازیل** کی اس سازش کو سمجھ پانے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ وہ ایک معمولی شینانی تھا۔ سیارہ خامس کی تسخیر کی ذرا سی کامیابی نے اس کے ظرف پر برا اثر ڈالا تھا اور اس نے یہ بدبختانہ جرات کر لی تھی کہ **عزازیل** مقدس سے احترام کی طلب کا اظہار کر بیٹھا تھا۔

(۴)

وادی ترگان کے راستے پر **عزازیل** بڑی تیز رفتاری سے گامزن تھا۔ وہ تنہا تھا۔ **بادرفت** کو اس نے نخاشخی سے ہی واپس کر دیا تھا۔ اس وادی میں اس کا آنا جانا اکثر رہتا تھا اور یہاں وہ ہمیشہ تنہا قدم بہ قدم چل کر ہی آتا تھا۔ دراصل یہاں ایک **تانیث قوی تلبانیخ** کی مستقل رہائش تھی، جس سے **عزازیل** کا ملنا اس لیے بھی ہوتا تھا کہ وہ اسے

اچھی لگتی تھی وہ اسے اچھی اس لیے لگتی تھی۔ کہ نوشی ہونے کے باوجود اس نے کچھ عظیم قوتیں حاصل کی تھیں اور اس کی قوتیں **عزازیل** کے لیے مفید تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کو طویل عرصے سے جانتے تھے۔ **عزازیل** آج اس سے مل کر یہ بتانا چاہتا تھا کہ آثار فنا دیکھ کر وہ ملول نہ ہو۔ وہ اسے روک سکتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ یہ خبر **تلبانیخ** کے پریشان ذہن کو راحت فراہم کرے گی اور جواب میں اس کی محبت کا اظہار **عزازیل** کو خوش کر دے گا۔

وادی ترگان اس کی حدودِ نظر میں آچکی تھی۔ اس وقت وہ دریائے نمکاز کے ساحل پر آباد نوشیوں کی ایک چھوٹی سی بستی جیغل سے گذر رہا تھا۔ دورانِ سفر اس نے خود کو روپوش کر رکھا تھا۔ اس لیے کوئی اسے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس احتیاط کی ضرورت اسے اس لیے پڑتی تھی کہ ہر بستی اور ہر شہر میں اس کے مداح اور طلب گار تھے جو اسے دیکھ اس کی تعظیم کی رسوم ادا کیے بغیر اسے آگے جانے کی اجازت نہ دے سکتے تھے کہ ان کی نظر میں یہ خلاف تہذیب اور بدشگونی تھی۔ آج تو وہ کچھ زیادہ ہی جلدی میں تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک اعلان **شاطون** کی دل خراش صدا اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

> "اعلیٰ مرتبت، دریائے علوم ارض و سما، شعلہ مقدس، لائق صد احترام اجنان حضرت **عزازیل** جہاں کہیں بھی ہوں اگر یہ آواز ان کی سماعت کو چھو رہی ہو تو وہ سن لیں کہ خدائے خدایان اردبان، شہنشاہ کل جہان، **شاطون** اعظم ان سے ملنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ سیارہ امن و امان اردبان پر کوئی عذاب غیر متوقع نازل ہو، اس سے قبل وہ شہر مریخا کے شاہی میدان میں حاضر ہوں اور سایہ آفتاب کے سہ چند ہوتے ہی وہاں منعقد اس مجلس مشاورت میں شریک ہوں جو مسائل حاضرہ سے نبرد آزمائی کے لیے طلب کی گئی ہے"۔

یہ آواز سن کر **عزازیل** کو اچھا نہیں لگا۔ اس نے وقت کا اندازہ کیا سایہ آفتاب دو چند ہو چکا تھا۔ یعنی اس مجلس مشاورت کے آغاز میں اب زیادہ وقت باقی نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر غم وغصہ کے آثار نمودار ہوئے بڑھتے قدم رک گئے۔ لیکن وہ **تلبانیخ** سے ملے بغیر نہیں جاسکتا تھا ظاہر ہے کہ وقت کی تنگی اس کے خوشی کے لمحات میں

خلل اندازتھی کسی اور کی بات ہوتی تو وہ یہیں سے لوٹ جاتا لیکن بات **تلبانیخ** کی تھی
کچھ سوچ کر وہ ترگان کی طرف آگے بڑھا۔اس کی رفتار اب پہلے سے بھی تیز تھی۔اسے اس
بات کا احساس ہوا کہ اس وقت اگر کوئی تکاشی اس کے ساتھ ہوتا تو اس کا وقت بچتا اور کام
اسان ہو جاتا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ **تلبانیخ** کے سامنے تھا اسے دیکھ کر وہ اپنے تخت زریں سے اٹھی
۔شایان شان اس کا استقبال کیا اور نہایت احترام سے اسے اپنے تخت پر ہی بٹھالیا۔"ایسے خطر
ناک ماحول میں **عزازیل** مقدس کا میرے پاس آنا خالی از مصلحت نہ ہوگا"۔وہ بولی۔"میں
جانتی ہوں۔پھر بھی میں اس کے دل میں اپنی خواہش کے احساس سے مسرور ہوں اور حاضر
ہوں کہ روح مقدس مجھ سے جو چاہے طلب کرے"۔

"**تلبانیخ** عزیز۔**عزازیل** تمہارے پاس اس نیت سے آیا تھا کہ اطمینان سے
گفتگو ہوگی لیکن اب ذرا جلدی ہے۔تم نے تباہی کے مناظر بھی دیکھے ہوں گے اور
شاطون اعظم کا اعلان بھی سنا ہوگا۔**عزازیل** کا اس پر لبیک کہنا **عزازیل** اور تمہارے حق
میں بہتر ہوگا۔اس لیے **عزازیل** اجازت کا خواہاں ہے۔البتہ یہ اطمینان رکھو کہ
مصائب ظاہر کی یہ نمائش **عزازیل** کے دائرہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ اس لیے تمہیں
اس کے لیے فکر مند نہیں ہونا چاہیے"۔

"روح مقدس،تمہارا اس طرح سے آنا اور اتنی جلدی جانے کی اجازت طلب
کرنا دل خوش کن نہیں ہے۔لیکن معاملہ **شاطون** اعظم کی خواہش کا ہے۔اور ہم لوگوں
کے لیے اسے ناراض کرنا مناسب نہیں ہے۔اس لیے با دل ناخواستہ تمہیں جانے کی
اجازت دیتی ہوں۔لیکن یہ یاد رکھنا کہ شہر آہ وبکا مریخا سے واپسی پر تم پہلے یہاں آو
گے۔ اور میری فکرمندی کو زائل کرنے اور میرے جسم کو سکون فراہم کرنے کے بعد ہی تم
کہیں اور کا رخ کروگے"۔

"**عزازیل** کو تمہارے دو تکاشیوں کی ضرورت ہوگی **تانیث** عزیز"۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے"۔کہتے ہوے **تلبانیخ** نے تالی بجائی۔خلاسیہ اور سردانہ
کو حاضری کا حکم دیا۔دوسرے ہی لمحے یہ دونوں ایک تخت رواں اور **عزازیل** کے زادراہ
کے ساتھ تیار تھے۔

یہاں سے براہ راست مریخا جانا اس کے اصولوں کےخلاف تھا۔شہر **شاطون** میں داخل ہونے سے پہلے وہ مکمل احتیاط اور حفاظت کا پورا بندوبست کرتا تھا۔ حالانکہ اسے نقصان پہنچانے کا حوصلہ **شاطون** میں نہیں تھا۔ پھربھی وہ ہمیشہ محتاط رہتا تھا درخان کی تجربہ گاہ اس کی حفاظتی انتظامات کا مرکز بھی یہاں سے کچھ فاصلے پر ہی اس نے **تلبا نیخ** کے تکاشیوں کو چھوڑ دیا تھا۔اور اب وہاں وہ شہر مریخا جانے کی تیاریوں میں منہمک تھا۔

روانہ ہونے سے پہلے اس نے اپنے غار کی ایک مخصوص دیوار کے پاس کھڑے ہوکر **شاطون** اعظم کے متواتر ہونے والے اعلان کا جواب دیا۔

''یہ پیغام **عزازیل** مقدس کی جانب سے سربراہ اردبان، **شاطون** اعظم کے لیے ہے کہ اس نے اپنی طلبی کا اعلان سن لیا ہے اور وقت مقررہ پر وہ مریخا کے شاہی میدان میں موجود ہوگا''۔

عزازیل کے اس جواب کے بعد اعلان کی رہ رہ کر گونجنے والی آواز خاموش ہوگئی ۔اب وہ شہر مریخا جانے کی تیاریوں کو آخری شکل دے رہا تھا۔

شاطون اعظم

(۱)

سیارہ اردبان کے موجودہ پایہ تخت شہر مریخا کا قصر **شاطون** دوسرے شینانیوں کے انداز رہائش سے کوئی مماثلت نہ رکھتا تھا۔ یہ قصر زیر زمین بھی تھا اور بالائے زمین بھی۔ اس کا کچھ حصہ سرد بھی تھا اور کچھ گرم بھی۔ یہ ساکن قصر کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ کس وقت کس طرح کے موسم میں رہنے کا خواہش مند ہے۔ بالائے زمیں اس کی بلندی آسمان کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور زیر زمیں اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا آسان نہ تھا۔ یہ محل اپنی وسعت میں ہزاروں افراد کی پناہ گاہ تھا۔ لیکن ان ہی کے لیے جو سربراہ اردبان کی خوشی سے اس کی پناہ میں آنے کی خوش بختی پا چکے ہوں۔ اس کی حفاظت کے لیے اجنان اردبان کے شاطر ذہنوں نے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دی تھیں۔ عام حالات میں تکاشی اور شینانی اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ اور نوشیوں کی تو یہاں تک رسائی ہی خارج از امکان تھی اس کا سارا نظام خودکار تھا نیتوں کے تعلق سے چہرے پر آ جانے والے اتار چڑھاو کا یہ نظام بڑی حد تک درست تجزیہ کرتا تھا۔ چنانچہ یہ کسی کی بدنیتی کا تدارک صاحب نیت کو سزا دے کر کر لیتا تھا۔ مختصر یہ کہ قصر **شاطون** ناقابل تسخیر تھا۔ بالائے زمین نظر آنے والا حسن کا مرقع یہ قصر تین طرف سے پہاڑوں سے گھرا تھا۔ اس کی پشت پر کوہ سنگیش تھا جس کی بلندی قصر **شاطون** سے کچھ ہی دبتی ہوئی تھی۔ ایک طرف کوہ شلا میل تھا اور دوسری طرف کوہ غازیل۔ شلا میل کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اس میں جسم سے عاری روحیں **شاطون** اعظم کی حفاظت کی غرض سے ہمہ وقت مستعد موجود رہتی تھیں۔ غازیل وہ جگہ تھی جہاں سیل آتش کے عذاب کے بعد ابوالجن حضرت **طارہ نوث** نے پناہ لی تھی۔ یہ جگہ ہر طبقہ کے جنوں میں مقدس سمجھی جاتی تھی اور سیارہ اردبان کا ہر فرد اس کا احترام کرتا تھا۔ اس کی انتہائی بلندی پر خاص اس جگہ جہاں

کے بارے میں مشہور تھا کہ **طارہ نوث** کے پہلے قدم پڑے تھے۔سفیر آخر حضرت سیلوطلیث نے ایک یادگار چبوترہ بنوایا تھا۔جو تمام جنوں کی بوسہ گاہ تھا۔اس چبوترے کی اپنی خصوصیات تھیں اور لوگ اس سے حسب استطاعت فیض اٹھاتے تھے۔ بشرطیکہ **شاطون** اعظم کی طرف سے متعین نگہدار انہیں وہاں جانے کی اجازت دے دیں۔اور عام حالات میں کسی کو بھی وہاں جانے سے روکا نہیں جاتا تھا۔

یہ خیال عام تھا کہ قصر **شاطون** کی تعمیر کے لیے وہ نقش کام میں لایا گیا تھا جو جنت کی تعمیر کے لیے استعمال ہوا تھا۔ یہ نقش حدود جنت سے نکل کر سربراہ اردبان کے ہاتھ کیسے لگا،اس کے بارے میں طرح طرح کے ناقابل یقین قصے عام تھے۔ان میں سے یہ قصہ زیادہ قرین قیاس لگتا تھا کہ خود ابوالجن حضرت **طارہ نوث** نے جنت سے چلتے وقت اسے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا کہ شاید بیرون جنت کبھی یہ نقش کارآمد ثابت ہو۔لیکن خود **طارہ نوث** کے لیے یہ کبھی ممکن نہ ہوسکا تھا کہ وہ اس نقش کو بروئے کار لاکر اپنی رہائش گاہ کی تعمیر کرے۔

یہ قصر فاصلے سے ہی اپنے مکین **شاطون** اعظم کی امارت،عظمت اور قدرت کا ثبوت فراہم کر دیتا تھا۔اسے دیکھنے والا اس کے حسن اور صناعی سے مبہوت بھی ہو جاتا تھا اور اس کے جلال سے خوف زدہ بھی۔

ظاہری طور پر قصر **شاطون** کی جو چیز میلوں کے فاصلے سے نظر آتی تھی وہ اس کے چار مینار تھے،جن کی بلندی یکساں نہ تھی۔البتہ سب سے کم بلند مینار کوہ سنگیش کے برابر نظر آتا تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ مینار خدائے قادر پر اہل اردبان کی برتری اور اس کے ترقی یافتہ تہذیب وتمدن کی علامت ہوں۔عام حالات میں یہ واضح طور پر دکھائی دیتا تھا کہ جیسے اہل اردبان نے نہ صرف قدرت عالیہ کو للکارہ ہے بلکہ اکثر معاملات میں فتح سے بھی ہم کنار ہوے ہیں۔کسی بھی فاتح قوم کی طرح اپنے نام نہاد مفتوحہ آقائے سابق کے احکامات اور ہدایات کو سننے،ماننے اور ان پرعمل پیرا ہونے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔چنانچہ یہاں جس طرح کی تہذیب نمودار ہوئی تھی وہ وہی تھی جو غرور وتکبر کے فریب میں مبتلا کسی بھی فاتح قوم سے متوقع ہوسکتی ہے۔

قصر **شاطون** کے صدر دروازے سے کچھ فاصلے پر ایک میدان تھا،جہاں بیک وقت لاکھوں افراد کے جمع ہونے کی گنجائش تھی۔یہ میدان مریخا کے نام سے مشہور تھا۔

اسے بنوایا ہی اسی مقصد سے گیا تھا کہ جب **شاطون** اعظم کو عام لوگوں تک کوئی احکام پہنچانا ہوتو لوگوں کو یہاں جمع کیا جا سکے۔ اس وسیع وعریض میدان کے مختلف حصے تھے بڑا حصہ تو اسی مقصد کے لیے تھا۔ جس کا بیان ہوا۔لیکن اسی میدان کا ایک حصہ مخصوص مشاورت کے لیے استعمال ہوتا تھا ۔ یہاں عام طور پر **شاطون** اعظم اپنے معزز ین سیارہ کرسی نشینوں سے مشورہ کرتا تھا۔ چونکہ یہاں شینانیوں کے علاوہ کسی اور کو آنے کی ممانعت تھی اس لیے اس کے باب داخلہ کے پاس چھوٹے چھوٹے دو میدان اور تھے جہاں ضرورتاً ایسے لوگوں کو روکا جاتا تھا۔ جنہیں کسی غرض سے طلب کیا گیا ہو۔ ایک میدان نویشیوں کے لیے تھا جو اوپر سے کھلا تھا اور ہمہ وقت گرم رہتا تھا اور دوسرا تکاشیوں کے لیے جو سرد رہتا تھا اور جس کے اوپر نظر نہ آنے والی ایک چھت بھی تھی۔

بڑے میدان میں ایک بلند چبوترہ ایسا بھی تھا۔ جہاں کھڑے ہوکر بولنے پر بولنے والے کا چہرہ ہر میدان میں موجود افراد کو نظر آتا تھا اور اس کی آواز فضا ارتعاش پیدا کیے بغیر براہ راست لوگوں کی سماعت کا حصہ بن جاتی تھی۔ یہ چبوترہ **شاطون** اعظم کے علاوہ کسی اور کو استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ خاص اوقات میں تخت **شاطون** اسی چبوترے پر آراستہ کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے میدان میں چبوترے تھے۔ جو کم وبیش ایسی ہی خصلت کے ساتھ اس مخصوص میدان میں موجود لوگوں کو مخاطب کرنے کے کام آتے تھے۔

اس میدان کا موسم بھی جنی صناعی کا بیش بہا نمونہ تھا۔ یہاں موجود لاکھوں نفوس میں سے ہر فرد اپنی پسند کا موسم طلب کر سکتا تھا۔ اس کے لیے اسے کچھ کرنا بھی نہیں ہوتا تھا ۔ یہاں کا خودکار نظام فرد کی سوچ سے منسلک تھا۔ اسے جتنی سردی گرمی یا رطوبت درکار ہوتی مل جاتی تھی، ۔لیکن یہ نظام صرف شینانیوں اور تکاشیوں کے لیے کارآمد تھا۔ اول تو نوشیوں کا یہاں گزر ہی دشوار تھا اور اگر کسی مقصد کے تحت طلب بھی کیا جاتا تو وہ اس نظام کو متحرک نہ کر سکتے تھے۔ ہاں اس کی طلب پر میزبان اس کی مرضی کے مطابق موسم مہیا کر سکتا تھا۔ یہ نظام مشینی تھا اور اسے حرکت میں لانے کے لیے مشینی دماغ لازمی تھا، جو نوشیوں کے پاس نہ تھا۔

(۲)

شاطون اعظم سفیر اول ابوالجن حضرت **طارہ نوث** کے نمائندہ کی حیثیت سے تخت اردبان پر متمکن ضرور تھا لیکن وہ صحیح معنوں میں نہ تو اس مقدس تخت کا مستحق تھا اور نہ اس کا جائز وارث تھا۔ یہ تخت اس نے اپنی قوت، اپنی ذہانت اور اپنی کارکردگی کے بل پر حاصل کیا تھا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے اس نے بے شمار لوگوں کو قبل از وقت اپنے وجود سے دست بردار ہو کر معدوم ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان لوگوں میں سابق سربراہ اردبان **شاشین** اعظم اور **تبلیث** سرفہرست تھے۔ جو **عزازیل** کے والدین اور تخت **طارہ نوث** کے جائز وارث تھے۔

شاطون شاہ مشرق پیتراس اور شاہ بانوشوسم کا پوتا اور معزول شاہ لیتسان کا بیٹا تھا۔ امارت اسکی گھٹی میں تھی۔ اس چھوٹی ریاست اروزا کے زوال آمادہ ہونے اور دردر بھٹکنے کے دوران جب اس نے ہوش سنبھالا تو اسے سربراہ اردبان ہونے کا خیال آیا۔ اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کی اس چھوٹی ریاست کو شکست سے دوچار کرنے والے سربراہ اردبان **شاشین** اعظم کو شکست دی جائے۔ اور یہ کام آسان نہ تھا۔ **شاشین** کو شلست دینے کی دھن میں ہی مجبوراً اس نے اپنے جسم کو تبدیلیوں سے آراستہ کیا۔ جو اس کی قوت اور ذہانت میں اضافے کا سبب تو بنیں لیکن اصولی طور پر وہ اب مقدس تخت **طارہ نوث** پر اپنا استحقاق کھو چکا تھا۔ لیکن اس نے حق ناحق کے جھگڑے کو نظرانداز کر کے اپنی قوت کے زور پر اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کر لیا تھا۔

ابوالجن حضرت **طارہ نوث** کے تخت کا وارث ہونے کی دراصل اولین شرط ہی یہ تھی کہ اسے نوشی ہونا چاہیے یعنی اس کا جسم کبھی کسی صنعتی عمل سے نہ گزرا ہو۔ **شاطون** اپنی قوت میں اضافہ کے لیے عمل جراحی سے گزر چکا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ اس کے شینانی ہونے کا راز کسی کو معلوم نہیں ہے۔ لیکن شینانی بن جانے والے نوشی کو پہچاننے میں ایک بار شینانی اور تکاشی سے تو غلطی ہو سکتی تھی، نوشی اس کی شناخت میں کبھی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کی مصنوعی حرکات کو فوراً ہی محسوس کر لیتا تھا۔ لیکن اس کی مشکل یہ تھی کہ ضرورت پڑنے پر وہ اپنی اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے کوئی مقبول عقل و ذہانت ثبوت فراہم نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری طرف عام حالات میں شینانی کسی نو وارد کو خفیہ طور پر قبول کرنے کو تیار نہیں

ہوتے تھے۔لیکن **شاطون** کی بات الگ تھی۔ شخص کی حیثیت سے وہ عام آدمی نہ تھا۔اور وہ حالات بھی غیر معمولی تھے، جن کے جبر میں اسے ایسی تبدیلی قبول کرنی پڑی تھی۔ پھر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو چکا تھا اور اب سربراہ اردبان تھا۔ یہ واقعہ تاریخ اردبان میں پہلی بار رونما ہوا تھا کہ کوئی شینانی اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوا ہو۔ اس لیے وہ تمام لوگ جو صاحب قدرت تھے، خوش تھے۔ پھر **شاطون** نے جس طرح اپنی طاقت میں اضافہ کرلیا تھا اس سے پیدا شدہ خوف اپنی جگہ کام کر رہا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اس نے ناجائز طور پر سہی تخت اردبان پر قبضہ جمالیا تو اکثریت اس کی حمایت میں تھی۔ اس بات کو کسی نے خوشی سے قبول کیا تھا، کسی نے بادل ناخواستہ۔لیکن قبول سب نے کرلیا تھا۔اور اب تو اس واقعے کو صدہا برس ہو چکے تھےلوگ اب اسے اپنی تقدیر کے مالک کی حیثیت سے قبول کر چکے تھے اور **شاشین** اور **تبلیث** کا قتل لوگوں کے دل و دماغ سے محو ہو چکا تھا۔

لیکن خود **عزازیل** اس واقعے کو کیسے بھول سکتا تھا۔**شاطون** اس کے والدین کا قاتل ہی نہیں اس کے ازلی اور دیرینہ خواب کو شکست کرنے کا مجرم بھی تھا۔ازل سے اب تک وہ جس سربراہی کے حصول کے لیے کوشاں تھا، ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے پھسل گئی تھی۔اس سے قبل بھی وہ چھ بار مختلف خاندانوں میں جنم لے چکا تھا۔اپنی مرضی سے پیدا ہونے اور مرنے کی جو صفت روز ازل اسے خدائے قادر نے دی تھی، یہ اس کا آخری دور تھا۔ اب اسے جو کچھ کرنا تھا اسی آخری دور میں کر لینا تھا۔اور فی الحال دشواری صرف **شاطون** کا وجود تھی۔ورنہ اہل اردبان اس کی وراثت کے حق کو بخوبی جانتے تھے۔

شاطون کا یہ گناہ بھی کم نہیں تھا کہ اس نے اس روایت کو توڑا تھا جس کے تحت امارت کا حق دار صرف نوشی ہو سکتا تھا۔خداوند قادر کے عطا کردہ آئین سیلوطلیث میں صاف درج تھا کہ اگر کبھی ایسا شخص اقتدار پر قابض ہو جائے تو جس میں بھی اسے معزول کرنے کی طاقت ہو وہ اسے ہٹا کر، اس کا قتل کر کے خود تخت حاصل کر سکتا تھا۔اور یہ سب عین منشائے خداوندی کے مطابق ہوگا۔ حالانکہ **شاطون** اعظم نے اس تحریر مقدس میں تحریف کر کے اس آئین سے وہ دفعات نکال دی تھیں اور لوگوں کی اکثریت اب اسے بھول بھی چکی تھی لیکن اب بھی ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو نہ صرف اس بات سے واقف تھے بلکہ اس دن کے منتظر بھی تھے جب کوئی قوی دوراں آئے گا اور **شاطون** کو معزول کر دے گا۔انہیں یقین تھا

کہ ایک نہ ایک دن ایسا ہو کر رہے گا۔ ان کے خیال کے مطابق **عزازیل** میں ایسا کرنے کی قوت بدرجہ اتم موجود تھی اور وہ اس تخت کا جائز وارث بھی تھا۔ لیکن **عزازیل** کی حالیہ سرگرمیاں اس امید کے منافی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے حق سے دست بردار ہو چکا ہو۔ اس طرف سے دھیان ہٹا کر وہ اپنا سارا وقت یاد خداوندی، عبادت و ریاضت اور نوشیوں کی تعلیم و تربیت میں صرف کر رہا تھا۔ اس پر طرہ یہ بھی تھا کہ اس نے **شاطون اعظم** کا سب سے بلند، سب سے پروقار عہدہ مشیر **شاطون** قبول کر لیا تھا اور اپنی زندگی خوش وخرم اور اطمینان سے بسر کر رہا تھا۔ اس اقدام کے بعد بھی لوگ انقلاب سے ناامید تو نہ تھے پھر بھی اب جو تھا لوگ اسی سے مطمئن تھے۔

عزازیل کو اپنے ماتحت یہ پروقار عہدہ دے کر **شاطون** بھی مطمئن ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے سب سے بڑے دشمن کو اپنا ہم نوا بنا لیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ **عزازیل** سے ہمیشہ محتاط رہتا تھا۔ نوشی ہونے کے باوجود **عزازیل** نے جو ذہانت، جو علم، جو قدس حاصل کر لیا تھا وہ **شاطون** کی جگہ اسے ہی امارت کا مستحق قرار دیتا تھا۔ وہ جب بھی اس کے بارے میں سوچتا، احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا۔ یہ سوچ کر وہ ڈر جاتا کہ کہیں اس کا مشیر کسی دن اسے دھوکا نہ دے دے۔ لیکن **عزازیل** جس سادگی قناعت اور دین داری کی زندگی بسر کر رہا تھا وہ **شاطون** کو خوش فہمی میں مبتلا رکھنے کے لیے کافی تھا۔

(۳)

عناصر کا عریاں رقص دیکھ کر خود **شاطون** بھی لرز گیا تھا۔ قوت کل کا مدعی ہونے کے باوجود جو کچھ ہو رہا تھا اسے روک پانا اس کے اختیار سے باہر تھا۔ اسے اس کی توقع تو تھی لیکن یہ امید نہ تھی کہ یہ ہنگام آخر اس کے دور اقتدار میں ہی آ جائے گا۔ وہ اسے ایک عام طوفان کہہ کر اپنے آپ کو سمجھانے اور مطمئن رکھنے کی کوشش ضرور کر رہا تھا لیکن دل کے کسی گوشے میں اسے یہ یقین تھا کہ بس اب اس کا یہ سارا کارخانہ اقتدار ختم ہونے والا ہے۔

جب اس ہنگام آخر کا پہلا مظاہرہ ہوا تھا اس وقت وہ اپنی آرام گاہ میں بستر پر آنکھیں بند کیے دراز تھا۔ دو تکاشی اپنے سرد ہاتھوں سے اس کے جسم کو سہلا رہے تھے۔ وہ لذت اور سکون کا لطف لے رہا تھا۔ بس اسی وقت اچانک زمین کو جنبش ہوئی تھی۔ وہ چونک

گیا تھا۔اس کی خدمت میں مصروف دونوں تکاشی ناکارہ ہوگئے تھے۔ان کا نظام کار جمود کا شکار ہو چکا تھا۔خود اس کے سر کے اندرونی تاروں میں کچھ ہلچل محسوس ہوئی تھی۔یہ آثار اچھے نہ تھے۔یعنی اگر وہ مضبوط خودکار حفاظتی نظم سے آراستہ نہ ہوتا تو اس کا حشر بھی سامنے پڑے تکاشیوں جیسا ہوتا۔وہ اٹھا اور قریب لگی ایک کل پر دباو ڈالا۔چند لمحوں میں کچھ مزید تکاشی خادم حاضر ہوئے تھے۔جو اپنے ہوش وحواس میں تھے۔اسے ان پر اعتبار نہ آیا تو اس نے انہیں ناکارہ ہوجانے والے تکاشیوں کو لے جانے اور کچھ نوشی غلاموں کو بھیجنے کا حکم دیا۔ان نوشیون کی مدد سے وہ بہ مشکل باہر نکل کر اپنی تجربہ گاہ میں آسکا تھا۔

اس وقت بس اسے ایک ہی شخص کی یاد آرہی تھی۔ **عزازیل** ۔اسے یقین تھا کہ اگر اسے اور اہل اردبان کو اس آفت ناگہانی سے کوئی نجات دلاسکتا ہے تو وہ بس **عزازیل** ہے۔اسے فوراً **عزازیل** سے ملنے کی حاجت محسوس ہوئی۔اس نے اپنے لیے مخصوص خودکار نادعامہ کا نظام متحرک کیا اور **عزازیل** کے لیے پیغام نشر کیا کہ وہ جہاں بھی ہو اس سے ملے۔کافی دیر تک یہ اعلان ہوتا رہا۔**عزازیل** کا کوئی جواب نہ آیا۔جیسے اسے زمین نگل گئی تھی۔وہ پریشان تھا بالآخر کافی انتظار کے بعد **عزازیل** کا جواب اس کی فہم سے ٹکرایا۔اس نے مجلس مشاورت میں شریک ہونے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔

عزازیل کا جواب ملنے کے بعد **شاطون** نے اپنے تمام کرسی نشینوں کو اس مجلس مشاورت میں شرکت کی دعوت دی۔ان کرسی نشینوں کا تعلق شینانیوں سے تھا اور یہ سب اعلے مرتبہ رکھتے تھے ان میں سے اکثر کسی نہ کسی سیارے کے خدا تھے۔لیکن سرزمین اردبان پر یہ سب خدائے خدایان اردبان کے ماتحت تھے۔اس کا حکم مانتے تھے اور اس کے فیصلوں سے روگردانی کی جرأت نہ کرسکتے تھے۔ان سب کا اطلاعی نظام خودکار تھا۔جسے کسی اعلان کی ضرورت نہ تھی۔**شاطون** نے ایک ہی لمحے میں یہ دعوت تمام متعلقہ افراد کے دماغ پر نقش کر دی تھی۔اور صرف انہیں چھوڑ کر جو سیارے پر موجود نہ تھے، اسے سب کا جواب بھی مل گیا تھا۔

(۴)

بوتار اپنی تازہ خدائی کے نشہ میں مخمور، اپنی کرسی نشینی کی خبر سے مسرور اور اپنے تکبر میں چوریک چشم اور دافق کے ساتھ اپنے نو دریافت سیارہ خامس پر جانے کے لیے تیاری

کر رہا تھا کہ اس کے سر کے تاروں کا ایک مخصوص حصہ جھنجھنایا۔ ایسا اس کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا۔ اس کا سبب فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کا سر چکرایا اور وہ گھبرا کر اسی جگہ بیٹھ گیا۔ بالآخر اس کے اندر **شاطون** اعظم کی آواز گونجی۔ وہ اس بات سے کچھ بوکھلا گیا کہ خود **شاطون** اعظم اس سے مخاطب تھا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ تھا۔ اس نے بڑی بے صبری سے اپنے آقا کا پیغام سنا اور مجلس مشاورت میں شریک ہونے پر ظاہر کردی۔ اس کے فوراً بعد یہ رابطہ منقطع ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں اسے بے چینی کا احساس ہونے لگا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے سب سے پہلے اپنے دونوں تکاشیوں کو سفر کے التوا کا حکم دیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ آرام سے لیٹ گیا۔ اور اس مسئلے پر غور کرنے لگا۔

اس کی اس الجھن کا سبب دراصل **عزازیل** مقدس سے ہونے والی اس کی ملاقات تھی جس میں اس مقدس ہستی نے اسے **شاطون** اعظم کے تخت کا مستحق قرار دیا تھا۔ اس نے سوچا۔ شاید آج وہی دن ہے آج اس کی قسمت کا ستارہ چمکنے والا ہے۔ وہ ایک طرف تو مستقبل کے سنہرے خواب میں ڈوب جانا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ یہ سب کچھ آسانی سے بہر حال ہونے والا نہیں ہے۔ یہ اس کے اپنے اختیار میں بھی نہ تھا کہ وہ **شاطون** اعظم کی طاقت سے ٹکرا سکے۔ لیکن یہ قوت **عزازیل** میں ضرور تھی، اس کا اسے پورا بھروسہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ **عزازیل** مقدس کی نگاہ انتخاب اس پر پڑی ہے تو یقینا کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا اور اس کا عین امکان ہے کہ عنقریب وہ فرمان روائی اور اقتدار اعلیٰ کا مزہ لے رہا ہو۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اس کی ذرا سی چوک اس کی پر سکون اور خوش گوار زندگی میں رخنہ ڈال دے۔ وہ **شاطون** اعظم کا مجرم ٹھہرے اور اپنے وجود سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس ادھیڑ بن میں اسے ایک بار بھی یہ خیال نہ آیا کہ وہ شینانی ہے۔ اور اصولاً تخت اردبان پر اس کا حق نہیں بنتا۔ اسے یہ بھی یاد نہ آیا کہ **عزازیل** خود شینانیوں سے نفرت کرتا ہے۔ پھر بھلا وہ اس مقدس تخت کو کسی شینانی کے ہاتھ کیسے سونپ سکتا ہے۔ دراصل یہ اس کا قصور تھا بھی نہیں۔ یہ قصور اس تکنیک کا تھا جس کے تحت اس کا ذہن کام کرتا تھا۔ اس تکنیک کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ذہن اسی نہج پر سوچ سکتا تھا اور گہرائی سے سوچ سکتا

تھا، جس طرف فکر کا سفر چل پڑا ہو۔ وہ یکا یک زاویہ بدل کر نئے انداز سے سوچنے پر قادر نہ تھا۔ اب جب کہ **بوتار** نے **عزازیل** کو اپنے ہمدرد کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا تو اس کی مخالفت میں سوچنا **بوتار** جیسے معمولی شینانی کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس زاویہ فکر کا رخ بدلنے کے لیے وقت اور واقعات کی ایک خصوصی ترتیب کی ضرورت تھی۔

شینانیوں اور تکاشیوں کی یہی وہ خامی تھی جس کا فائدہ نوشی اٹھاتے تھے۔ ان کا ذہن آزاد تھا۔ وہ زاویہ نظر تبدیل کر کے سوچنے کے اہل تھے۔ اسی بنیاد پر وہ کمزور ہونے کے باوجود ان صنعتی مخلوقات سے ٹکر لے سکتے تھے اور اپنے زندہ اور محفوظ رہنے کی سبیل کر سکتے تھے۔ یہ تو ایک عام نوشی کا حال تھا۔ اور **عزازیل** بہر حال معمولی نوشی نہ تھا۔ اس کی ذہانت، اس کے علم اور اس کے ذوق عمل کا تو ایک زمانہ قائل و مداح تھا۔ پھر بھلا **بوتار** جیسا شینانی اس کی سازش اور لائحہ عمل کو کیا سمجھتا۔

بوتار نے اپنے سارے ضروری کام منسوخ کر دئے تھے اور وقت مقررہ پر اس مجلس مشاورت میں شرکت کی تیاری میں ہمہ تن مصروف تھا۔

مشاورت

(۱)

شاطون اعظم کا اپنی بوکھلاہٹ کے زیر اثر مجلس مشاورت منعقد کرنا اس کی بے چارگی اور **عزازیل** پر اس کے انحصار کا غماز تھا۔ **عزازیل** خوش تھا کہ ان حالات میں وہ **شاطون** کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوگا۔ وہ اس لیے اور بھی خوش تھا کہ مسئلے کا حل وہ پہلے ہی تلاش کر چکا تھا۔ اس حل کے اسرار میں وہ نہ تو **شاطون** کو شامل کرنا چاہتا تھا اور نہ کسی اور کو۔ ہاں وہ بالا علان ان کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے کر اور انہیں قرار واقعی تحفظ فراہم کر کے ایک بار پھر لوگوں کو باور کرانا چاہتا تھا کہ بہت سے معاملات اب بھی ایسے ہیں جہاں **شاطون** کے بجائے **عزازیل** کا بس چلتا ہے۔ وہ اپنے رفیق دیرینہ **جبرئیل** کا تہ دل سے ممنون تھا کہ اس نے اس بلائے ناگہانی، اس قہر آسمانی کو دو سو سال کے لیے ٹالنے میں اس کی مدد کی تھی۔

وقت کم تھا اور کام بہت۔ مجلس مشاورت کے انعقاد میں اب بہت دیر نہ تھی۔ لیکن اس سے پہلے اسے دو ضروری کام کرنے تھے۔ ایک تو اسے **بوتار** سے مل کر مشاورت کے دوران اس کے کردار اور وہاں کی جانے والی اس تقریر پر بات چیت کرنی تھی اور دوسرے جائے مشاورت پر ایک نظر ڈالنی تھی، تا کہ ہنگامی طور پر اگر کوئی ناخوشگوار صورت حال پیدا ہو جائے تو اس سے حفاظت کا انتظام رہے۔ اس کے دو تکاشی غلام سرا سیم اور عبدان اب اس کے ساتھ تھے سب سے پہلے وہ **بوتار** سے ملنے نخاشخی پہنچا۔ **بوتار** خود بھی اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ **شاطون** کی دعوت کے بعد وہ طے نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے لیکن اس کے پاس **عزازیل** سے رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اب جب اس

نے عزازیل کو سامنے دیکھا تو جیسے اس کا سارا تردد رفع ہو گیا تھا۔

''خوش آمدید بزرگ محترم''۔ بوتار نے عزازیل کا استقبال کرتے ہوئے کہا ۔''میرے ذہن کے تاروں میں آپ ہی کی یادلہریں لے رہی تھی''۔

''عزازیل جانتا تھا کہ مستقبل کا سربراہ اردبان عزازیل سے ملنے کو بے چین ہے۔سو عزازیل حاضر ہے''۔عزازیل کا شاطرانہ انداز عمل میں آچکا تھا۔

''یہ عزازیل مقدس کا مجھ پر خصوصی کرم ہے''۔

''وقت کم ہے''۔عزازیل نے کہا۔''اس لیے رسمیات میں اسے ضائع کرنے سے ہمیں گریز کرنا چاہیے''۔

''بزرگ محترم جو بہتر سمجھیں۔بوتار حاضر ہے''۔

کچھ دیر دونوں میں رازدارانہ انداز میں بات چیت ہوتی رہی۔بوتار کے بار بار اثبات میں سر کی جنبش سے اندازہ ہو رہا تھا کہ نہ صرف اس نے عزازیل کی ساری باتیں مان لی ہیں بلکہ ان پر عمل کے لیے جیسے وہ پہلے سے ہی وہ تیار بیٹھا تھا۔

وہاں سے فارغ ہو کر اب اس نے دوسرے مرحلے کو انجام دینے کے بارے میں سوچا۔ اس کے لیے وہ میدان مریخا میں پہنچا۔مشاورت کی تیاریاں چل رہی تھیں۔لیکن اصل وقت کو ابھی دیر تھی۔عزازیل نے وہ لباس پہن رکھا تھا۔جس کے بعد اسے کوئی دیکھ نہ سکتا تھا۔چنانچہ کارکنوں اور پہرے داروں کا ڈر اسے نہ تھا۔وہ کافی دیر تک میدان کے اطراف پہاڑوں کا جائزہ لیتا رہا۔پھر کوہ غازیل کے اوپر چڑھ کر وہاں اس نے کچھ وقت بھی گزارا۔طارہ نوث کے مقدس چبوترے پر عبادت کی۔اس سے فارغ ہو کر اس نے میدان میں مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر کچھ بولنے کی مشق اور اس کے اصل رد عمل کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا رہا۔یہ ساری تگ ودو اس لیے تھی کہ بوتار کی باتیں شاطون اعظم تک اسی طرح پہنچیں جس طرح وہ چاہتا تھا۔وہ اس سلسلہ میں کسی طرح کا کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔اور اگر کوئی غیر متوقع صورت حال رونما ہوئی بھی تو اس کے تدارک کا معقول انتظام وہ کوہ غازیل پر کر چکا تھا۔یہ ساری تدابیر احتیاطی تھیں۔اول تو بوتار سے غلطی کا امکان نہ تھا کہ اس کے صنعتی نظام میں ایسی غلطی کی گنجائش برائے نام تھی۔دوسرے شاطون ایسے نازک وقت پر اگر اپنے غضب کا اظہار کرتا ہے تو یہ اس کے

حماقت کا ہی ثبوت ہوگا۔ پھر بھی وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے انتظامات سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد وہ میدان سے باہر آ گیا۔ پہلے اس نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ پھر اپنے تکاشیوں کو کسی محفوظ اور خفیہ مقام پر انتظار کرنے کو کہا۔ اس کے بعد **شاطون** کو اپنی آمد کی اطلاع ارسال کر دی۔

(۲)

آج کی مشاورت کا موضوع سورج کی طرح عیاں تھا۔ اس میں نہ کسی شبہ کی گنجائش تھی نہ سازش کی، کہ یہ مسئلہ سیارہ امن و امان اردبان کی سلامتی سے منسلک تھا۔ لیکن **شاطون** اعظم بہرحال کسی ایسی صورت حال کا سامنا کرنے کو تیار نہ تھا جو اس کی سبکی اور محکوموں کے سامنے شرمندگی کا باعث ہو۔ یہ معمولی بات نہ تھی کہ سیارہ کے دگرگوں حالات نے اسے **عزازیل** کی مدد لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ **عزازیل** یعنی ایک نوشی سے۔ اس بات سے اس کی مطلق العنانیت کو ٹھیس پہنچ رہی تھی۔ **عزازیل** سے بظاہر اس کے دوستانہ روابط تھے۔ بظاہر اس نے **عزازیل** کو مشیر **شاطون** کا عہدہ جلیل دے رکھا تھا۔ لیکن یہ سب لوگوں پر کچھ مخصوص اثر ڈالنے کی غرض سے تھا۔ عملاً وہ کسی موضوع پر **عزازیل** سے مشورہ نہ کرتا تھا۔ ہاں جب اسے اپنے تعلق کی نمائش کی ضرورت محسوس ہوتی تو کبھی کبھی غیر ضروری اور غیر اہم مسائل پر اس کی رائے مانگ لیتا۔ کبھی اس کے مشورہ پر عمل کرتا اور کبھی نہ کرتا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس سیارہ پر اگر کوئی اس سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا ہے تو وہ صرف اور صرف **عزازیل** ہے۔ وہ جانتا تھا کہ آج اسی کا دن ہے۔ اردبان کا تحفظ حالانکہ دونوں کا مشترکہ مسئلہ تھا۔ لیکن سربراہ سیارہ ہونے کی حیثیت سے اس کے تحفظ کی ذمہ داری بہرحال اس کی تھی۔ اور وہ لاچار تھا۔ وہ پوری طرح **عزازیل** پر منحصر تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسا طریقہ سمجھ میں آ جائے کہ یہ کام بھی ہو جائے اور اس کے وقار کو ٹھیس بھی نہ لگے۔ لیکن ایسا کوئی طریقہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اسے پورا یقین تھا کہ اس آفت ناگہانی سے بچنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ **عزازیل** کے پاس ضرور ہوگا اور اس بات کا بھی پورا یقین تھا کہ وہ اردبان کی بقا کے لیے اس کی بات کو نہیں ٹھکرائے گا۔ لیکن اس کے کرسی نشینوں کو اگر یہ بات توہین آمیز لگی کہ ایک نوشی سے مدد کی

درخواست کی گئی ہے۔تو معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔ یہ ڈر اسے اپنے پرانے کرسی نشینوں سے تھا۔اس سے بچنے کے لیے اس نے اپنی ذہانت کو بروے کار لاتے ہوئے ان تمام قدیم کرسی نشینوں کے ذمہ بالکل فطری انداز میں کچھ ایسا کام سپرد کر دیا تھا تا کہ وہ مشاورت میں شریک ہی نہ ہو سکیں۔ چونکہ مشاورت کا انعقاد ہنگامی طور پر ہو رہا تھا اس لیے ان کی غیر موجودگی پر کوئی سوال اٹھنے کا امکان نہیں تھا۔

وہ ابھی اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ ایک تکاشی نے آ کر اسے مطلع کیا۔''باہر **عزازیل** مقدس ہیں اور آنے کی اجازت چاہتے ہیں''۔

''انہیں باعزت طریقے سے اندر لے آؤ''۔

''جو حکم خدائے بزرگ کا''۔تکاشی بولا۔

وہ باہر گیا تو **شاطون** نے اپنے حفاظتی حصار پر ایک محتاط نظر ڈالی اور اطمینان سے **عزازیل** کا استقبال کرنے کو تیار ہو گیا۔ چند لمحوں میں **عزازیل** اس کے سامنے تھا۔

''**شاطون** اعظم کی قدرت کاملہ کو دوام حاصل ہو''۔ **عزازیل** نے اندر آتے ہوئے دعا دی۔

''قصر **شاطون** میں بزرگ محترم **عزازیل** کا استقبال ہے''۔

یاد آوری کے شکریے کے ساتھ **عزازیل** کو اس طلب کا سبب جاننے کا اشتیاق ہے ''۔**عزازیل** نے کہا۔'' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ سبب کیا ہے''۔

''ہاں بزرگ مقدس۔ ہمارا سیارہ خطرے میں ہے اور یہ ہماری مشترکہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس کے تحفظ کے لیے جو کچھ کر سکتے ہیں کریں''۔

یقیناً مجلس مشاورت کے پاس تحفظ اردباں کی جو تجاویز ہوں گی اس میں **عزازیل** اپنا کردار بخوبی ادا کرے گا۔**عزازیل** اس بات کا آپ کو یقین دلاتا ہے''۔

''آپ کی نوازشات مجھ پر ہمیشہ رہی ہیں''۔**شاطون** اعظم کے لہجے میں چاپلوسی کا رنگ نمایاں تھا۔''بزرگ مقدس یہاں آرام فرمائیں اور مجھ اجازت دیں کہ میں مشاورت کی تیاریوں کی جانب کچھ توجہ دے سکوں''۔

''شاہ اردبان جیسا مناسب سمجھیں''۔**عزازیل** نے کہا''۔

شاطون کو کسی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔ یہ اس کے کردار کی کمزوری تھی کہ

عزازیل کے ساتھ تنہائی میں آتے ہی وہ بری طرح احساس کمتری میں مبتلا ہونے لگتا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے سے گھبراتا تھا۔ اسی لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اصل موضوع سے متعلق جو باتیں ہوں وہ مشاورت کے دوران ہی ہوں۔ دوسری طرف وہ مختلف اندیشوں میں مبتلا تھا۔ اورنہیں چاہتا تھا کہ اس کی گفتگو سے **عزازیل** کو اس کی کیفیت کا اندازہ ہواور وہ کسی سازش کا جال بننے لگے۔

لیکن **عزازیل** کی فہم وفراست کو وہ کچھ کم کر کے فیصلے لے رہا تھا اور ظاہر ہے یہ فیصلے غلط تھے۔ **عزازیل** نہ صرف **شاطون** کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا بلکہ اسے اطمینان تھا کہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہی ہو رہا تھا قبل از وقت **قصر شاطون** میں آ کر **شاطون** سے ملنے کے پیچھے اس کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔

تنہائی میں **شاطون** سوچ رہا تھا کہ **عزازیل** جس خود اعتمادی کا مظاہرہ کر رہا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو وہ ان آفات سماوی سے پریشان ہے اور نہ فکرمند۔ جیسے اسے پورا یقین ہو کہ جو ہونے والا ہے وہ سب کچھ اس کی مرضی کے عین مطابق ہوگا۔ جیسے حالات کتنے ہی دگرگوں کیوں نہ نظر آ رہے ہوں اس کے قابو سے باہر بہر حال نہیں ہوئے ہیں۔

(۳)

قصر شاطون کا میدان مریخا خدایان اردبان سے پر تھا۔ **شاطون** اعظم کی دعوت پر حاضر نہ ہونے کا حوصلہ بھلا کون کر سکتا تھا۔ یہاں آنے والا ہر شخص آج کے اجتماع کی غرض و غایت سے واقف تھا اور اپنے اپنے طور پر اپنی فکر و صلاحیت کی روشنی میں اپنے تجربے کی بنیاد پر تجاویز لے کر آیا تھا۔ اس اجتماع میں **عزازیل** بھی اپنے لیے ایک مخصوص ایک بلند مقام پر متمکن تھا۔ یہ سب آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ **شاطون** اعظم کی آمد کا اعلان ہوا۔

''سر بہ سجدہ، مہر بہ لب کہ خدائے خدایان اردبان، قادر کل **شاطون** اعظم کی آمد اس اجتماع خاص کی رونق میں اضافہ کرنے والی ہے''۔

تمام حاضرین سجدہ میں گر گئے لیکن **عزازیل** نے **شاطون** اعظم کو احترام دینے کے لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہو جانا ہی کافی سمجھا۔ اسے **شاطون** کے کرسی نشینون نے بھی

دیکھا اور خود **شاطون** اعظم نے بھی۔اس سے پہلے بھی اس بارۂ خاص میں **عزازیل** کو متنبہ کیا جا چکا تھا۔لیکن **عزازیل** نے اسے درخود اعتنا نہیں سمجھا تھا۔**شاطون** جانتا تھا کہ تجدید تنبیہ کا یہ مناسب وقت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ خاموش رہا اور اپنی مخصوص نشست کے قریب آیا ۔نقیب نے لوگوں کو سجدے سے سر اٹھانے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی **شاطون** اعظم نے اپنی نشست سنبھال لی۔

داعی مشاورت اور **شاطون** اعظم کی اجازت سے کارروائی کا آغاز ہوا۔مختلف کرسی نشینوں نے اپنی تجاویز سامنے رکھیں۔کسی کے لہجے میں غم وغصہ تھا تو کوئی خوف کے زیر اثر تھا۔کوئی گستاخی کر رہا تھا تو کوئی چاپلوسی۔لیکن آفات حاضرہ سے متفکر تو بہر حال سب ہی تھے۔اور سب ہی اس کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔لوگوں کی تجاویز بھی نوع نوع کی تھیں۔کوئی اس سیارہ کو چھوڑ کر اپنے اپنے محکوم سیاروں اور اپنی خلق کردہ مخلوق کے درمیان رہنے کی بات کر رہا تھا تو کوئی خلا میں نئی بستیاں آباد کرنے کا مشورہ دے رہا تھا۔کوئی نہایت گستاخانہ لہجے میں ابوالعجائب خدائے قادر کے جائے قیام کی تلاش کر کے وہاں پوری قوت سے لشکر کشی کر کے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کی رائے دے رہا تھا۔کوئی ان واقعات کو معمول کا حصہ ثابت کر کے ان سے خوف زدہ نہ ہونے کی تلقین کر رہا تھا۔کوئی اسے نوشیوں کی سازش اور فتنہ سامانیوں کا حصہ بتا رہا تھا تو کوئی کسی بے حد ترقی یافتہ ذہن کی کارکردگی ، جو لوگوں کو خوف زدہ کر کے خود تخت **طارہ نوث** پر قابض ہو نا چاہتا تھا۔غرض جتنے لوگ تھے اتنی ہی باتیں تھیں۔البتہ ایک بات سب میں مشترک تھی کہ ہر شخص ڈرا ہوا تھا۔کیونکہ ان میں سے اکثر نے اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لا کر اپنے دفاع کا ہر حربہ استعمال کر کے دیکھ لیا تھا، اور اس کی ناکامی کا معترف تھا۔لیکن ہر شخص اپنی شرمندگی اور اپنی ناکامی کی تشہیر سے کترا رہا تھا۔شکست تسلیم کرنے کے بعد بھی وہ اپنی شکست خوردگی کا اعلان نہیں کرنا چاہتے تھے۔حالانکہ یہاں یہ معاملہ تھا ہی نہیں۔جب انفرادی طور پر ہر شخص اپنی ہار مان چکا ہو تو مجموعی طور پر شکست ہو جاتی ہے۔لیکن کسی اجتماعی فیصلے اور اعلان کا حق تو صرف والی اردبان کے پاس محفوظ تھا۔اور والی اردبان **شاطون** اعظم اس مشاورت میں خود کوئی تجویز رکھنے سے کترا رہے تھے۔

اپنی رائے ظاہر کرنے والوں میں **بوتار** بھی تھا۔اس نے بھی اردبان کو خالی کر

دینے کی بات کہی تھی۔اس کا لہجہ گستاخانہ تھا اس نے نہایت سلیقے سے ان مصائب کی ساری ذمہ داری **شاطون** اعظم اور اس کے فیصلوں پر ڈال دی تھی اور مشورہ دیا تھا کہ اگر والی اردبان اردبان کی حفاظت سے قاصر ہوں تو انہیں اپنے عہدے اور فرائض سے سبکدوش ہو کر آرام کرنا چاہیے اور اردبان کے نظم و تحفظ کی ذمہ داری کسی اہل اور باصلاحیت شخص کے سپرد کر دینی چاہیے۔ یہ ایسی تجویز تھی جو یوں آئی تو کئی دلوں میں تھی لیکن قادر مطلق **شاطون** اعظم کے سامنے اس کا اظہار کرنے کا حوصلہ کسی میں نہ تھا کہ یہ تو اسے غضب ناک کرنے اور اپنی موت کو خود ہی دعوت دینے جیسا تھا۔لیکن **بوتار** نے اس مصلحت کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور ہمت کر کے اپنی بات کہہ دی تھی۔

ابھی **بوتار** اپنی نشست پر بیٹھا بھی نہ تھا کہ **شاطون** اعظم غصے میں کپکپاتی آواز کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی آواز پر قابو رکھتے ہوئے بس اتنا کہا۔ ''جو لوگ آداب مشاورت کی پیروی نہیں کر رہے ہیں وہ یہ نہ بھولیں کہ ان آفات سماوی کے بعد بھی انہیں سیارہ اردبان سے ہی اپنی نسبت برقرار رکھنی ہے۔ اور اس سیارے پر سوائے **شاطون** اعظم کے کسی اور کی حکمرانی کا تصور اردبان سے بغاوت ہے، جس کا خمیازہ اسے بہر حال بھگتنا ہو گا۔

شاطون اپنی دھمکی بھری تقریر ابھی جاری رکھنا چاہتا تھا لیکن اسی بیچ **عزازیل** نے کھڑے ہو کر ملتجیانہ لہجے میں کہا'' ہر قول **عزازیل** اس خدائے قادر کے نام جو معبود واحد ہے۔ **شاطون** اعظم کا صبر و ضبط بے مثال ہے۔اس مشکل وقت میں ہمیں باہمی تصادم کا راستہ تلاش کرنے کے بجائے اس نامقصود مسئلے کے حل میں اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرنی چاہییں۔ رہی آداب مشاورت کی بات تو تمام کرسی نشین یہاں اپنی بات کہنے کو آزاد ہیں۔معاملہ اتنا تشویش ناک ہے کہ اگر مشیروں کو اظہار خیال پر پابندی کا خطرہ ہو گا تو معقول باتیں سامنے نہیں آسکیں گی۔ **بوتار** کی باتیں نازیبا سہی لیکن اس کے پس پشت اس کا وہ کرب ہے جو اپنے حسین سیارے کی تباہی کے تصور سے ہر اہل اردبان اپنے اندر محسوس کر رہا ہے۔اس لیے موجودہ حالات میں کسی کو سزا دینے کی بات نہ سوچنا ہی دانش کا تقاضا ہے۔ **عزازل** ذاتی طور پر اور **شاطون** اعظم کی جانب سے ان تمام شرکا کا شکر گزار ہے جنہوں نے اپنی اپنی تجاویز یہاں رکھیں لیکن جو بات یہاں **عزازیل** کہنے والا ہے وہ ان

سے یکسر مختلف ہے''۔

''نہیں ہے کوئی معبود سوائے خدائے واحد کے''۔ **عزازیل** نے ایک لمحے کے وقفے کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔''سب سے پہلے **عزازیل** آپ تمام حضرات کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ آثارِ فنا کے اس رقص کے بعد قیامت کے واقع نہ ہونے دینے کا طریقہ اس نے تلاش کر لیا ہے۔ اس لیے اگر آپ **عزازیل** کی بات پر یقین کر سکیں تو وہ کہتا ہے کہ اردبان کی تباہی کی بنیاد پر جو خوف آپ پر طاری ہو رہا ہے اسے دور جھٹک دیں۔ رہی آثارِ فنا کے ان مظاہر کی بات، تو اس کے لیے ہمیں اجتماعی طور پر اس خدائے واحد کے سامنے دست بہ دعا ہونا چاہیے جو مالک کائنات ہے۔ ہمیں صدق دل سے پھر اس خدائے کی وحدانیت اور افضلیت کو تسلیم کرنا چاہیے اور اس کی عبادتوں کا سلسلہ قائم کرنا چاہیے۔ **عزازیل** یقین دلاتا ہے کہ وہ قہار نہایت رحیم بھی ہے۔ وہ ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے ہماری دعائیں ضرور سنے گا''۔

''قسم ہے **عزازیل** کو اس قاہر و جابر کی، جس کی قدرت میں ہر ذی روح کی جان ہے۔ قسم ہے **عزازیل** کو افلاک معلوم و نامعلوم کی، جن کا علم ان کے خالق اسی خدا کو ہے۔ قسم ہے **عزازیل** کو سفیرِ آخر حضرت **سیلو طلیث** کی معصومیت کی کہ یہ اسی خدائے واحد و قادر کی بخشش ہے کہ **عزازیل** جو کچھ کہ رہا ہے وہ اردبان کی فلاح کے لیے نہ صرف اہم ہے بلکہ اس کا کوئی متبادل بھی نہیں ہے۔ **عزازیل** جانتا ہے کہ یہ اکثر کانوں کو گراں گزرنے والا ہے۔ لیکن ہے یہ سچ۔ اس آفت ناگہانی سے تحفظ کے لیے **عزازیل** کے پاس کوئی مادی لائحہ عمل نہیں ہے۔ اس لائحہ عمل کا تعلق روح سے ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ آج کے بعد کم از کم اس دن تک جب تک ہمیں اپنے تحفظ کا یقین نہ ہو جائے کسی بھی نوشی کو شینانی بنانے کی اجازت نہ دی جائے، کہ یہ قانون قدرت میں رخنہ اندازی ہے۔ ہمارے ماہرین اس بات پر بھی غور کریں کہ موجودہ شینانی کو پھر کس طرح نوشی بنایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ **عزازیل** اس کا طریقہ خوب جانتا ہے کہ راہ راست پر آنے کا کوئی راستہ ایسا نہیں ہے جو اس کے دائرہ علم سے باہر ہو۔ ممکن ہے ابھی **عزازیل** کی باتیں آپ کو قدامت پسندی کی عکاس معلوم ہو رہی ہوں لیکن اب اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ رہ نہیں گیا ہے۔ اور جو شینانی کسی ضرورت یا مصلحت کی بنا پر دوبارہ نوشی بننے پر آمادہ نہ ہوں تو ان کے لیے یہ لازمی قرار

دیا جائے کہ وہ اپنی افزائش نسل کو روک دیں تا کہ سرزمین اردبان کا غیر فطری بوجھ کم ہو۔ البتہ تکاشیوں کی تعمیر وتخلیق اور آسائش کے دیگر وسائل فراہم کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ یہ ارتقائے بنو**طارہ نوش** کا مظہر ہے''۔

''بعد ثنائے خدائے قادر **عزازیل** یہ بھی کہنا چاہتا ہے کہ **شاطون** اعظم ہمارے لیے رحمت ہیں، لائق صد احترام ہیں، خیر خواہ اردبان ہیں۔ لیکن ہمیں خدا اور سربراہ کا فرق سمجھنا ہوگا۔ جو **شاطون** کا حق ہے **شاطون** کو دیجیے۔ جو خدا کا حق ہے اسے خدا کے سپرد کیجیے۔ دونوں کو ایک دوسرے میں خلط ملط نہ کیجیے۔ دونوں کے لیے مخصوص اعمال میں فرق ضروری ہے۔ اس قیامت سے نجات کا واحد طریقہ یہی ہے کہ خود **شاطون** اعظم خدا کی وحدانیت کا نہ صرف اعتراف واعلان کریں بلکہ ذاتی طور پر لوگوں کو اس جانب متوجہ بھی کریں''۔

''خوف خداوندی کے بھرپور احساس کے ساتھ **عزازیل** کہتا ہے کہ اگر اس کی باتیں آپ کی سمجھ میں آ رہی ہوں تو **عزازیل** یقین دلاتا ہے کہ بغیر کسی خوف کے اپنے ٹھکانوں پر جائیے اور اطمینان سے زندگی بسر کیجیے۔ آپ کے تحفظ کی پوری ذمہ داری **عزازیل** اپنے سر لینے کو تیار ہے''۔

ابھی **عزازیل** بیٹھا ہی تھا کہ **بوتار** اپنی جگہ پر کھڑا ہوا۔ اس نے **عزازیل** کی باتوں پر ایمان لانے کا اعلان کیا اور لوگوں سے کہا کہ وہ بھی ایمان لا کر اپنی زندگی کی ضمانت حاصل کریں۔ مجمع میں شور وغوغا بلند ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ بڑی تعداد **عزازیل** کی ہم نوائی کو تیار ہے۔

''یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ صریح گمراہی کی باتیں ہیں''۔ **شاطون** کو جس بات کا اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا۔ ایک مشیر اپنی جگہ کھڑے ہو کر گرج رہا تھا۔ ''میں **شاطون** اعظم سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ **عزازیل** کو غدار قرار دیتے ہوئے اس دریدہ دہنی اور گستاخی کی سزا تجویز کریں اور ان کی باتوں کی تردید میں تاخیر نہ کریں تا کہ گمراہی کے راستے مسدود ہو جائیں''۔

اس کے فوراً بعد **شاطون** اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ اس کا غصہ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ نہایت غضب ناک لہجہ میں بولا۔ ''مصیبت کی اس گھڑی میں، نفسی نفسی کے

اس عالم میں، ہمیں اپنے آبائی عقائد کا تحفظ کرنا ہے۔ مقدس **عزازیل** کی تجاویز پر میں غور کروں گا لیکن سرزمین اردبان میں کسی بھی طرح کے انتشار کی تخم ریزی کو میں کسی بھی حالت میں معاف نہیں کروں گا۔ ایسے لوگ قرار واقعی سزا کے مستحق ہونگے۔ یہ کہہ کر **شاطون** نے اپنے چند تکاشیوں کو کچھ خفیہ احکامات دئے فوراً ہی آسمان پر خوفناک سیاہ بادلوں کا ایک غول نظر آیا، جو چند کرسی نشینوں پر سایہ فگن ہوا۔ یہ سب وہی لوگ تھے جنہوں نے مشاورت میں گستاخی کی تھی بادل کا ایک بڑا ٹکڑا **عزازیل** مقدس کے سر پر بھی، منڈلا رہا تھا۔

شاطون کے اس خفیہ اور خطرناک حملے کو **عزازیل** نے بھانپ لیا تھا۔ اس نے اپنے حفاظتی انتظامات پر ایک نظر ڈالی۔ اچانک کوہ غازیل سے ایک آندھی اٹھی اور اپنی پوری قوت سے بادلوں کو اڑا لے گئی۔ یہ بادل کوہ سنگیش سے ٹکرائے اور پاش پاش ہو گئے۔

اس کے فوراً بعد ہی اس مجلس مشاورت کے خاتمے کا اعلان ہوا اور گھبراہٹ ہوئے لوگ جلدی جلدی میدان سے باہر نکلنے لگے۔ آسمان ہر بادلوں کی شکل میں **شاطون** اعظم کے غضب کا اظہار بھی انہوں نے دیکھا تھا اور **عزازیل** مقدس کا جوابی حملہ بھی۔ انہیں جلد ہی کسی ناگہانی کا اندیشہ تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ کچھ رونما ہونے سے پہلے ہی وہ اپنے اپنے محفوظ ٹھکانوں پر پہنچ جائیں۔

میدان عمل

(۱)

جو کچھ ہوا تھا وہ نہ تو عجیب تھا اور نہ خلاف توقع۔

مشاورت کی مجلس سے **بوتار عزازیل** کی بروقت مدد سے زندہ اور صحیح سلامت نکل آیا تھا لیکن جب وہ اپنے شہر نخاشتی پہنچا تھا تو اس کے دونوں تکاشی دافن اور یک چشم اسے اپنے کندھوں پر لادے ہوئے تھے اور وہ مر چکا تھا۔

مجلس مشاورت کے اختتام کے اعلان بعد وہ میدان مریخا سے اپنے غرور میں سینہ تانے مستی میں ٹہلتے ہوئے اپنے شہر کی جانب لوٹ رہا تھا کہ اس کے ذہن کے خودکار نظام نے کام کرنا بند کر دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسی صورت حال میں اسے کیا کرنا چاہیے ۔وہ مدد کے لیے اپنے تکاشیوں کو کوئی حکم بھی دے سکا تھا کہ چند لمحوں میں اس کے جسم کا فطری نظام بھی ناکارہ ہو گیا۔ وہ پہلے جامد ہوا اور پھر فرش پر گر پڑا۔ بغیر کسی اور کی مدد کے اس کا علاج اس کے تکاشیوں کے حد اختیار سے باہر تھا۔ اس کے سر کے بالائی حصے سے سرخ روشنی پھوٹ رہی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ **شاطون** اعظم کے غضب کا شکار ہے۔ اس کا یہ حشر دیکھ کر دوسرے کرسی نشینوں اور آس پاس رہنے والے شینانیوں کی بھیڑ لگ گئی تھی لیکن **شاطون** کے خوف سے کوئی اس کی مدد کو آگے نہ آیا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر کے پاس **بوتار** کا علاج تھا۔ بالآخر اس نے آخری سانس لی اور بے دم ہو گیا۔

بوتار کو اپنی گستاخی کی سزا مل چکی تھی۔

عزازیل کو جب **بوتار** کے خاتمے کی خبر ملی تو اسے دکھ ہوا۔ لیکن وہ اس کے انجام کے بارے میں پہلے سے جانتا تھا۔ **بوتار** کا مرنا اس کی حکمت عملی کا ہی ایک حصہ تھا لیکن وہ اس کے

مرنے کی اتنی جلد توقع نہ رکھتا تھا۔ اب اسے **بوتار** کے افراد خانہ سے ملنا تھا اور وہ بلا تاخیر وہاں پہنچ بھی گیا۔ اس نے **بوتار** کے وارثین سے درخواست کی کہ وہ **بوتار** کی آخری رسوم کے لیے جلدی نہ کریں۔ **بوتار عزازیل** کے نیک مقصد کی حمایت میں مارا گیا ہے۔ اس کی قربانی رائیگاں نہیں جانی چاہیے۔ **بوتار** کو نہایت شان وشوکت اور عزت واحترام کے ساتھ ایک جم غفیر کے سامنے نذر آتش کیا جائے گا۔ تاکہ لوگوں کو اس کی قربانی کا احساس ہو اور **بوتار** کی تشنہ خواہشات کی تکمیل کی کوئی سبیل نکلے۔

عزازیل نے براہ راست **شاطون** اعظم کو **بوتار** کے قتل کا ذمہ قرار دیا تھا۔

بوتار کی آخری رسوم میں اتنے لوگ شریک ہوئے تھے کہ تا حد نظر ذی روح جنوں کا ایک سمندر لہرا رہا تھا۔ اس میں شینانی بھی تھے اور نوشی بھی۔ اس رسم میں شرکت کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا آسان نہ تھا۔ لیکن **عزازیل** نے وہ سارے حربے استعمال کیے تھے جن کا استعمال ممکن تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت **شاطون** بے دست وپا اور اس کا دست نگر ہے اس لیے انتقام اس کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ اس نے لوگوں کو باور کرایا تھا کہ **بوتار** خدا کی راہ پر آ گیا تھا اور جلد ہی دوبارہ نوشی بن کر اپنی باقی زندگی خدا کی یاد میں صرف کرنا چاہتا تھا۔ لیکن **شاطون اعظم** نے اس کا یہ خواب پورا نہ ہونے دیا۔ اس نے **بوتار** کو شہید اعظم کا خطاب دیا۔ اس نے بڑی چابک دستی سے لوگوں کو راہ راست کی طرف راغب کیا اور مشورہ دیا کہ **بوتار** کی روایت کو جاری رہنا چاہیے۔ اس کے اس اعلان پر لاتعداد شینانی دوبارہ نوشی بننے کو تیار ہو گئے۔ **عزازیل** نے ان سب کو اپنی شہری تجربہ گاہ میں مدعو کیا تاکہ ان کے جسم کو عمل جراحی سے گزارا جا سکے۔

اور ظاہر ہے خدا کے نمائندے کی حیثیت سے سربراہی کا حق **عزازیل** مقدس کے علاوہ بھلا اور کسے ہو سکتا تھا۔

(۲)

بوتار کے قائم کردہ خودکار نظام کے ذریعہ سیارہ خامس کے باشندوں کو ان کے خدا کے مرنے کی خبر دے دی گئی تھی۔ یہ کام **بوتار** کے وفا شعار تکاشیوں دافن اور یک چشم نے انجام دیا تھا۔ کوئی دوسرا شینانی اس سیارے پر قبضہ نہ جمالے اس ڈر سے اسے تباہ کر دینا

ہی زیادہ قرین مصلحت تھا۔ چنانچہ اہل خامس کو عبادات اور یاد خدا کی جانب متوجہ رہنے کی ہدایت دے کر یہ اطلاع بھی دی گئی کہ عنقریب قیامت کا ظہور ہوگا۔ اور خوش خبری دی گئی کہ چونکہ ان کے خدا کی موت ہو چکی ہے اس لیے وہ حشر برپا نہ ہوگا جس میں لوگوں کو اپنے اعمال کا حساب دینا تھا۔ ہر شخص اپنے نیک و بد اعمال کے ساتھ آزاد ہے۔ وہ چاہے تو قیامت آنے تک کا وقت وہ اپنی مرضی سے اس سیارے پر گزار سکتا ہے۔ بغیر اس کے ڈر کے کہ اسے اپنے اعمال کی سزا یا جزا ملے گی۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ **بوتار** کا دریافت شدہ سیارہ خامس اردبان سے سورج کے رخ پر کئی لاکھ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ فاصلہ دونوں سیاروں کے درمیان وقت کی تعین میں فرق کا موجب تھا۔ یعنی اردبان پر پندرہ سال کی مدت گزارنا خامس پر اسّی سال اور اردبان پر چالیس سال کی مدت خامس کے چھتیس ہزار سالوں کے گزرنے کے برابر تھی۔ چنانچہ اگر اردبان سے کچھ وقفے سے کوئی خامس پر جائے تو اسے وہاں پر نئی نسل موجود ملے گی۔ خامس پر عمر کا اوسط سو سال سے زیادہ نہ تھا اور یہ سو سال اردبان کے سولہ سترہ سالوں کے برابر تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اردبان پر اپنی فطری عمر جینے والا کوئی بھی جن خامس کی ہزار نسلوں کو جیتے اور مرتے دیکھ سکتا تھا۔ اسکی یہ طویل عمر باشندگان خامس کو اس کے خدا ہونے کا آسانی کے یقین دلا دیتی تھی۔

قیامت کی ندائے غیب سننے کے بعد ساکنان خامس کا رد عمل ملا جلا تھا۔ وہ خوش تھے کہ انہیں خدا کی غلامی اور بندگی سے نجات ملی۔ وہ آزاد ہو گئے۔ لیکن وہ خوف زدہ تھے کہ جلد ہی انہیں قیامت کا سامنا کرنا تھا۔ اور ہمیشہ کے لیے فنا ہو جانا تھا۔

اور بہت جلد وہ قیامت موعود سے روبرو تھے۔ اردبان پر بیٹھے منتظمین خامس نے صرف ایک کل کی حرکت سے ندیوں، پہاڑوں، جنگلوں اور ریگزاروں سے مزین اس وسیع وعریض، حسین اور دل کش سیارے کو ایک دھماکے کے ساتھ اڑا دیا تھا اور ایک بار پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان کی قوت خدائے کائنات کی قدرت سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

عزازیل کے لیے وہ دن ایک یادگار دن تھا۔
اس دن آٹھ ہزار سے زائد شینانی ایک بار پھر نوشی بنے تھے۔ان پر عمل جراحی خود عزازیل کی نگرانی میں اس کے تکاشیوں کی مدد سے ہوا تھا۔معمول پر آنے کے لیے انہیں کچھ آرام کی ضرورت تھی انہوں نے خدائے واحد کی قسم کھا کر عہد کیا تھا کہ وہ آئندہ عزازیل مقدس کی رہنمائی میں کام کریں گے اور اس زندگی کے مقابل دائمی زندگی کی آسائشوں پر زیادہ توجہ دیں گے۔جس کا یقین عزازیل مقدس نے دلایا تھا۔اپنے وجود کی تبدیلی کے بعد یہ سارے لوگ خوش بھی تھے اور مطمئن بھی۔
یہی نہیں ان لوگوں کی دیکھ دیکھی دوسرے لوگ بھی اب عزازیل کی عظمت اور برتری کے معترف ہونے لگے تھے اور تبدیلی قالب کے خواہش مندوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ عزازیل اپنے تمام ذرائع ابلاغ کو اس کی تشہیر کے لیے اپنا رہا تھا۔جس کا خواطر خواہ اثر بھی ہورہا تھا۔
لیکن عزازیل کے لیے جو خبریں دل خوش کن تھیں۔وہی خبریں شاطون اعظم کے لیے اذیت ناک تھیں۔اسے اپنے ذرائع سے برابر یہ اطلاع مل رہی تھی کہ عزازیل کے ارادت مندوں میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔اس کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔اور یہ پیش رفت اس کی اپنی عظمت اور اقبال مندی کے لیے خطرہ تھی۔عزازیل کو اس کام سے روکنا اس کے لیے مشکل نہ تھا لیکن مصلحت وقت اسے کوئی بھی سخت قدم اٹھانے سے روک دیتی تھی۔عزازیل نے مجلس مشاورت میں اس کے کرسی نشینوں کے سامنے جو عہد کیا تھا آج بھی اس پر کاربند تھا۔اس نے نہ جانے کیا جادو کر دیا تھا کہ ایک عرصہ سے آثار فنا کا کھیل رکا ہوا تھا۔اسے چھیڑنا نہ صرف اپنے وجود کو خطرے میں ڈالنا تھا بلکہ سارا سیارہ ہی داؤں پر لگ جانے والا تھا۔وہ سیارے پر یا اپنی ذات پر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔لیکن جو ہورہا تھا، صریح بغاوت تھی۔اور باغی کو سزا نہ دینا اقتدار کی مزید کمزوری کا سبب بن سکتی تھی۔اس کی یہ مصلحت اندیشی ایک دن اسے تخت اقتدار سے محروم کرسکتی تھی۔اور وہ ایسا بہر حال نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔وہ مسلسل اس مسئلے پر غور کررہا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ عزازیل کو اپنا نشانہ بنانے کے بجائے وہ ان لوگوں کو سزا دے جو اس کی حمایت میں کھل کر سامنے آرہے ہیں۔اس سے خوف و دہشت کا جو ماحول تعمیر ہوگا وہ دوسرے لوگوں پر

اس کی قوت کا رعب بھی ڈالے گا۔اور انہیں **عزازیل** کی حمایت سے روکے گا بھی۔

اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے اپنے کچھ ملازم شینانیوں کو ایسے لوگوں کی شناخت پر لگا دیا تھا۔اسے بتایا گیا تھا کہ ان کی مجموعی تعداد دو لاکھ سے زاید ہو چکی ہے۔جو سیارہ کے تمام شینانیوں کی آبادی کا تقریبا بیس فیصد تھا۔تعداد یقینا بہت زیادہ تھی لیکن اس کا فیصلہ اٹل تھا کہ اقتدار کے تحفظ کیلیے اسے یہ کرنا ہی تھا۔

اور اچانک ایک دن سارے سیارے پر کہرام مچا ہوا تھا۔لوگوں پر ایک اور ہی قیامت ٹوٹ پڑی تھی ۔وہ لاکھوں لوگ جنھوں نے **عزازیل** کی حمایت میں اپنے قالب تبدیل کیے تھے، اپنی جان ہاتھ سے ہاتھ دھو چکے تھے۔اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کا مرنا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔اس پر طرہ یہ تھا**شاطون** کا نظام ترسیل اس بات کی تشہیر کر رہا تھا کہ تبدیلی قالب کی جراحی میں مہارت کی کمی تھی اور یہ تمام لوگ جراحوں کے اناڑی پن کا شکار ہوے ہیں ۔ظاہر ہے یہ **عزازیل** کی اہلیت پر زبردست حملہ تھا۔لیکن اس کے ذرائع ابلاغ **شاطون** کا مقابلہ نہیں کر پا رہے تھے۔رفتہ رفتہ لوگوں کو یہ بات سمجھ میں آنے لگی تھی اور اب شینانیوں کا پھر سے نوشی بننے کا سلسلہ رک گیا تھا۔**عزازیل** لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب **شاطون** کی سازش کے تحت قتل کیے گئے ہیں ۔کچھ لوگوں نے اگر اس کی بات پر اعتبار کر بھی لیا تھا تو اب وہ **شاطون** کی قوت سے خوف زدہ تھے۔وہ جانتے تھے کہ حق **عزازیل** کی طرف ہے۔لیکن وہ ایسے حق سے رشتہ جوڑنے کو تیار نہ تھے جو انہیں **شاطون** کے غضب سے تحفظ اور زندگی کی ضمانت بھی نہ دے سکتا ہو۔

عزازیل مقدس اور **شاطون** اعظم کے درمیان بالواسطہ جنگ جاری تھی۔دونوں فریق ایک دوسرے کا زیادہ سے زیادہ نقصان کر کے اس کی سرگرمیوں میں رخنہ اندازی میں مصروف تھے ۔اس جنگ میں قوت کا پلہ ایک بار پھر **شاطون** کی طرف جھک گیا تھا۔اس پلے کو ایک بار پھر اپنی طرف جھکانے کے لیے **عزازیل** کو زیادہ قوت اور زیادہ ذہانت سے حملہ کرنے کی ضرورت تھی۔وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ قوت **شاطون** کی طرف ہے۔اور ذہانت کے معقول استعمال سے ہی فتح حاصل کی جا سکتی ہے۔وہ اس معاملے پر نئے سرے سے غور و فکر کرنا چاہتا تھا۔

(۴)

شاطون اعظم کی قوت کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے پاس ایک ہزار جنون کی قوت اور ایک سو جنوں کی ذہانت تھی۔ وہ شینانی تھا اور ارض اردبان کا سب سے عظیم شینانی۔ **عزازیل** لاکھ سہی نوشی تھا۔ ایک جن کی قوت اور ذہانت کی جو معراج ہو سکتی ہے وہ اس کے اندر موجود تھی۔ اس کے وسیع تجربے اور عمیق علم کی روشنی میں اسے دو چند اور سہ چند بھی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ سب **شاطون** اعظم سے ٹکر لینے کے لیے ناکافی تھا۔ اسے بہر حال کسی کی مدد درکار تھی۔

ایسے میں اسے **تلبانیخ** کی یاد آنا فطری تھا۔ **تلبانیخ** اس کی دوست تھی، ہمدرد تھی، محبوبہ تھی۔ اس کی ذہانت، اس کا حسن جب اس کے تجربے کے ساتھ قہر ڈھانے پر آتا تھا۔ تو اردبان کے بڑے بڑے شینانی اس سے پناہ مانگنے لگتے تھے لیکن وہ اس کے سامنے جب جب **شاطون** اعظم کے مظالم کا ذکر کرتا تو وہ خاموش ہو جاتی۔ اگر **عزازیل** ضد کرتا تو وہ بھی اپنی وہی پرانی ضد دہرانے لگتی۔ اس کی جنسی طلب **عزازیل** کی روحانی قوت کی طلب گار تھی۔ اس کی تسکین کا سامان فراہم کرنے کے بعد وہ اس کی کنیز بھی بننے کو تیار تھی۔ **عزازیل** جانتا تھا کہ اس کی جنسی تسکین کے لیے ایک طویل جنسی اختلاط درکار ہے۔ بس یہی سبب تھا کہ وہ اس کی خواہش کو ہمیشہ ٹال جاتا تھا۔ ہاں وقتاً فوقتاً وہ اس کے ساتھ ہم بستری میں کوئی قباحت نہ سمجھتا تھا۔ **تلبانیخ** اپنی اس تشنگی کی وجہ سے بدنام تھی۔ وہ اپنے مقام سے باہر نہ نکلتی تھی کہ اس سے مردان نوشیان کی عافیت خطرے میں پڑ جاتی تھی۔ اور اس کی وجہ سے **عزازیل** کی رفاقت سے دست بردار ہونا پڑ سکتا تھا۔ جو بہر حال اسے گوارہ نہ تھا۔

عزازیل کے پاس وقت تھا۔ آج وہ تہیہ کر کے نکلا تھا کہ **شاطون** کے خلاف **تلبانیخ** کو آمادہ پیکار کرنے کی اگر یہ واحد شرط ہے تو وہ اسے پورا کرے گا۔ اسے یقین تھا کہ اگر ایسا ممکن ہوا تو **شاطون** اعظم کی ساری عظمت اس کی ٹھوکروں میں ہوگی۔

یہی سوچ کر وہ اپنے دو تکاشیوں کی قوت پر سوار ترگان کی جانب رواں تھا، جہاں **تلبانیخ** کی رہائش تھی۔

وہاں پہنچا تو **تلبانیخ** نے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔ ''**عزازیل** آج تمہیں

آنے میں کچھ دیر ہوگئی''۔

''عزازیل اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ خاتون محترم''اس نے حیرت سے کہا۔

''تم یقیناً شاطون اعظم کی قوت سے ٹکرانے کے لیے میری مدد مانگنے آئے ہو ۔لیکن میں تمہاری مدد نہیں کرسکتی ۔اس لیے کہ میں نے شاطون اعظم سے اس کے خلاف تمہاری مدد نہ کرنے کا وعدہ کرلیا ہے''۔

''لیکن تم نے ایسا وعدہ کیوں کیا''۔ عزازیل کچھ پریشان ہوتے ہوئے بولا۔ اور پھر تمہاری اس سے ملاقات کیسے ممکن ہوئی''۔

''وہ خود یہاں آیا تھا''۔ تلبانیخ بولی۔ مجھ سے ملنے اور تمہارے خلاف مجھ سے مدد مانگنے۔لیکن میں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ جب اس نے مجھ سے تم دونوں کے جھگڑے سے دور رہنے کی درخواست کی تو میں نے اس سے اپنی جنسی گھٹن رفع کرنے کی شرط رکھ دی۔ یہ جانتے ہوئے کہ بھلا ایک شینانی اس سلسلہ میں کیا کرسکتا ہے کہ اس نے تو اپنے اعضائے جنسی سے دست بردار ہوکر ہی یہ ساری قوتیں حاصل کی ہیں۔لیکن اس کا جواب بالکل غیر متوقع تھا۔ جانتے ہو اس نے کیا کہا''۔

''کیا''؟

اس نے کہا کہ میں تمہارے لیے ایک صد نوجوان اور صحت مند نوشی غلاموں کا انتظام کر دوں گا۔اور میں اس کے اس دلفریب پیش کش کو رد نہ کرسکی''۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا خاتون محترم''۔

''میں اپنے وعدہ کے حصار میں پھنس چکی ہوں عزازیل''۔

''لیکن تمہارے اس اقدام سے عزازیل کو بے حد رنج ہوا''۔

بہتر ہوگا کہ اب تم شاطون اعظم کی برتری تسلیم کرلو۔ اور اس تنازعے کو ختم کر کے اپنے لیے ہر طرح کے آرام و آسائش حاصل کرلو۔ شاطون اعظم اس کے بدلے تمہیں دنیا کی ہر نعمت فراہم کرسکتا ہے۔اس نے مجھ سے ایسا ہی کہا ہے۔

''عزازیل کو تم سے یہ امید نہیں تھی تلبانیخ کہ ایک دن تم شاطون کی حمایت میں اس طرح سامنے آؤ گی''۔

تم جو بھی سمجھو، لیکن ایک صد صحت مند اور فرماں بردار نوشی جوانوں کے لیے میں کچھ بھی

کر سکتی ہوں۔ یہ تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔تم نے تو کبھی میری خواہش کی جانب توجہ ہی نہیں کی۔ بلکہ اسے لائق اعتنا ہی نہیں گردانا۔کم از کم **شاطون** اعظم نے میری اس طلب کا احترام تو کیا''۔

''تم چاہو تو **عزازیل** بذات خود تمہاری اس خواہش کی تکمیل کے لیے تیار ہے۔ بشرطیکہ تم **شاطون** کے تحائف واپس کر دو''۔

''نہیں **عزازیل**۔تمہاری یہ آمادگی بعد از وقت ہے۔اب میں اپنے وعدے سے بندھ چکی ہوں۔اور تم جانتے ہو کہ کوئی قدم آگے بڑھا کر میں کبھی واپس نہیں لیتی۔ ہاں تمہاری یہ پیش کش دلکش ضرور ہے۔تم ان نوشیوں کے مقابلے زیادہ کار آمد ہو۔تم چاہو تو **شاطون** اعظم کے علاوہ جو چاہو مانگ سکتے ہو۔تمہارے ساتھ وقت کی یہ مدت گزارنے کے لیے میں کوئی بھی قیمت دینے کو تیار ہوں''۔

''لیکن اس کی قیمت صرف **شاطون** کی موت ہے''۔

''اور **شاطون** اعظم کی موت کی قیمت پر مجھے یہ پیش کش منظور نہیں''۔

''کوئی بات نہیں خاتون محترم۔**عزازیل** اب چلے گا۔ ہنگامی طور پر تمہیں ایسا محسوس ہوسکتا ہے کہ **عزازیل** کمزور پڑ گیا ہے کیونکہ تم سے مدد کا طلب گار ہے۔لیکن تم کو اور تمہارے مربی **شاطون** کو ابھی **عزازیل** کے وسائل کا علم نہیں ہے۔**عزازیل** سے ٹکرانا اسے بہت مہنگا پڑے گا۔**عزازیل** چاہتا تھا کہ اپنے ترکش کے کارگر تیروں کو برے وقتوں کے لیے محفوظ رکھے۔لیکن اب شاید **عزازیل** کی زندگی میں اس سے زیادہ توہین آمیز اور ذلت بخش وقت، اس سے زیادہ برا وقت اب کبھی نہیں آئے گا۔**عزازیل** اپنے محفوظ تیروں کا استعمال کرے گا۔اور اس جنگ کو فیصلہ کن موڑ تک پہونچائے گا۔اپنے مربی اور محسن کو اطلاع کر دینا کہ اب یہ جنگ کھل کر ہوگی وہ اپنے تحفظ کا جو انتظام کر سکتا ہو کر لے۔ بعد میں اسے ایسا نہ لگے کہ حفاظت کا انتظام کرنے کا اسے وقت نہیں ملا۔ **عزازیل** اب **عزازیل** مقدس سے **عزازیل** اعظم تک کا سفر طے کرے گا۔اور اسے اس سفر میں اپنی منزل تک پہنچنے سے کوئی بھی روک نہیں سکے گا۔ابھی تک یہ کام تمہارے اور صرف تمہارے اختیار میں تھا لیکن اب تم نے یہ اختیار گنوا دیا ہے۔ تم نے **عزازیل** کو تنہائی کا غم دیا ہے لیکن وہ تنہا نہیں ہے۔تم اپنے ایک صد غلاموں کے ساتھ عیش کرو اور

عزازیل اس دوران اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کا انتظام کرے گا۔ **عزازیل** تمہارے بغیر بھی تنہا نہیں ہے خاتون محترم"۔

"میں جانتی ہوں **عزازیل**۔ لیکن تمہارے یہ تیور تمہاری نامرادی سے زیادہ تمہاری رقابت کی جانب اشارہ کر رہے ہیں۔ یہ تمہارے جیسے معزز شخص کے لیے نامناسب بھی ہے اور ضرر رساں بھی۔ رامن کی قسم، میں تمہاری ہمدرد ہوں دشمن نہیں۔ لیکن **شاطون** اعظم سے جنگ میں میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گی۔ البتہ اس سے تمہاری جان کو خطرہ ہوا اور میں نے سنا یا تم نے مجھے مدد کے لیے پکارا تو میں ضرور آؤں گی۔ **عزازیل**، ہماری رفاقت اتنی کمزور نہیں ہے کہ اسے **شاطون** اعظم جیسے لوگ توڑ سکیں۔"

"**عزازیل** کو تمہاری محبت کا یقین ہے خاتون محترم۔ لیکن سچ پوچھو تو اس وقت جب **عزازیل** خود کو شکست خوردہ اور کمزور محسوس کر رہا ہے، نہ تو تمہارا یہ رویہ اسے اچھا لگا ہے اور نہ د تمہاری باتیں۔ اس وقت تمہاری ہمدردی بھی مصنوعی لگ رہی ہے اور محبت بھی جنس زدہ۔ اس لیے **عزازیل** اب رخصت کی اجازت چاہتا ہے"۔

"ٹھیک ہے **عزازیل**۔ تم جا سکتے ہو۔ لیکن ایک لمحہ رکو۔ میں تمہیں خالی ہاتھ نہیں جانے دوں گی۔ میں نے دو ہزار سالہ ریاضت مقدسہ کے بعد ایک قوت حاصل کی تھی۔ شاید اس وقت مجھ سے زیادہ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ اس لیے میں یہ قوت تمہیں اس ملاقات کی یادگار کے طور پر تحفتاً پیش کرتی ہوں"۔

یہ کہہ کر **تلبانیخ** اٹھی اور ایک سرخ رنگ کا آبدار آئینہ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "یہ آلات تحفظ کا مجموعہ ہے۔ جب جب تم خطرہ محسوس کرو اسے دیکھو۔ خطرہ تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ خطرے سے بچنے کے لیے اس کا تمہارے پاس ہونا ضروری ہے۔ البتہ یہ آئینہ جس حد تک تمہارے قریب ہوگا۔ اس کی تاثیر بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی"۔

"**عزازیل** اس تحفہ کیلیے تمہارا شکر گزار ہے خاتون"۔

"ابھی اس آئینہ کی صفات عالیہ ختم نہیں ہوئیں"۔ **تلبانیخ** نے کہا۔ جب جب تم بے چارگی محسوس کرو گے جب تمہیں لگے گا کہ تم تنہا اور بے یار و مددگار ہو گئے ہو۔ یہ آئینہ آلات اجابت کا مجموعہ بن جائے گا۔ تم صرف خواہش کرو گے اور تمہارے سامنے موجود

شخص وہ کرنے لگے گا جو تم چاہو گے۔ ہاں اس عمل کے لیے اس آئینہ مقدس کا تمہارے پاس ہونا ضروری ہے۔''

''محترم خاتون۔ اس وقت تم نے **عزازیل** کے زخم پر مرہم رکھنے کا کام کیا ہے۔ **عزازیل** اس احسان کو یاد رکھے گا۔ اور **شاطون** کی زندگی کے علاوہ تم زندگی میں کوئی بھی چیز طلب کرو گی، تمہیں ملے گی''۔

''شکریہ **عزازیل**۔ مجھے تمہارا وجود اور تمہاری زندگی عزیز ہے۔''

عزازیل کو اب اجازت دو۔ کیونکہ وقت کم ہے اور اسے ابھی بہت سے ضروری کام کرنے ہیں''۔

''یاد رکھو **عزازیل** کہ تم متواتر دوسری بار مجھے تشنہ چھوڑ کر جا رہے ہو''۔

عزازیل آگے بڑھا اور **تلبانیخ** کو اپنی آغوش میں لے کر اس کا ایک طویل بوسہ لیا، **تلبانیخ** کی آنکھیں رنگ بدلنے لگیں۔ جس کا مطلب تھا کہ اگر وہ فوراً علٰحدہ نہ ہوا تو **تلبانیخ** اسے آسانی سے جانے نہیں دے گی۔ لیکن شاید اس کے لیے پہلے ہی دیر ہو چکی تھی۔ اب **تلبانیخ** کسی صورت اسے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی۔ بالآخر **عزازیل** نے بھی کچھ وقت یہاں گزارنے کا ارادہ کر لیا''۔

(۵)

کوہ درخان پر واقع اپنی تجربہ گاہ سے پوری تیاری کے ساتھ عرش اصغر کی جانب سفر کرتے ہوئے **عزازیل** کو اپنی کامیابی کا یقین کم ہی تھا۔ **اردبان** میں **قیامت** برپا ہونے کے لیے مہلت خود اس نے طلب کی تھی۔ وقتاً فوقتاً آثار فنا کی نمائش گو کہ اس مہلت کا حصہ تھی لیکن ایسا ہونا اس کی نہیں خدا کی مرضی پر منحصر تھا۔ وہ اپنے رفیق دیرینہ **جبرئیل** کو کیسے یقین دلائے کہ قیامت کی ایک شدید جھلک اس کے لیے پھر ضروری ہو گئی ہے۔ اپنی طلب میں بار بار ترمیم اس کی کمزوری کی عکاس تھی۔ لیکن مجبوری یہ تھی کہ کافی غور و فکر کے بعد بھی **شاطون** اعظم کو بے دست و پا کرنے کی اور کوئی سبیل اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

ترگان سے دوتان واپس آ کر اس نے کافی وقت بستر فکر پر یہی سوچتے ہوئے گزارا تھا کہ ان حالات میں اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اور اسے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ

سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ جبرئیل سے ایک بار پھر مدد کی درخواست کرے۔لیکن معاملہ صرف جبرئیل کے منانے کا نہ تھا۔جوکام وہ چاہتا تھا اس میں دوسرے ملائک کا بھی دخل تھا خدائے قادر کے ان خادموں کو بیک وقت کسی ایک کام کے لیے آمادہ کر لینا اس وقت تک ناممکن تھا جب تک اس میں منشائے خداوندی کی شمولیت نہ ہو جائے لیکن عزازیل اس کوشش کو عمل میں لا کر اس کا نتیجہ دیکھ لینا چاہتا تھا۔

عرش اصغر پر پہنچنے کے بعد اسے جبرئیل سے ملنے کے لیے کافی انتظار کرنا پڑا۔ اسے معلوم ہوا کہ اس وقت خدائے قادت کے قرب خاص میں ہے۔اور ایک طے شدہ وقت کے بعد ہی اس سے ملاقات ممکن ہے۔فرشتہ رابطہ سماریل نے اسے انتظار کرنے کو کہا۔ اور وہ چہل قدمی کرتے ہوئے جبرئیل کا انتظار کرنے لگا۔لیکن جبرئیل وقت مقررہ سے کچھ پہلے ہی اس کے سامنے کھڑا مسکر رہا تھا۔اسے دیکھ کر عزازیل کی جان میں جان آئی۔

خوش آمدید میرے ہمدم دیرینہ''۔جبرئیل نے نہایت گرم جوشی سے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔''تم خوش نصیب ہو کہ خدائے قادر کو تمہاری فکر ہے۔اس نے مجھے حکم دیا کہ عرش اصغر پر میرا عابد عزازیل تمہارا منتظر ہے۔جا کر اس سے ملو اور اس کے یوں آنے کا سبب دریافت کرو۔''

یہ سن کر عزازیل سجدے میں گر گیا۔جبرئیل نے نہایت محبت سے اسے اٹھایا اور نرم لہجے میں اس کے اچانک یہاں آنے کا سبب دریافت کیا۔

میرے رفیق عزازیل بڑی مشکل میں ہے۔شاید اس پریشانی میں وہ تمہارے سوالوں کا تسلی بخش جواب نہ دے سکے پھر بھی اپنی جگہ یہ حقیقت ہے کہ عزازیل پریشاں ہے اور تمہاری مدد کا طالب ہے۔

''عزازیل تم جانتے ہو کہ میں ہمیشہ، ہر لمحہ تمہاری مدد کو تیار ہوں۔جب جب تم خیر کی طرف ہوگے۔جبرئیل تمہارا معاون ہوگا۔

بغیر کسی تمہید کے عزازیل کہتا ہے کہ اس کی خواہش یہ ہے کہ سرزمین اردبان پر آثار فنا کی نمود کی ایک جھلک اور دکھا دی جائے۔یہ کہتے ہوئے عزازیل اپنی مٹھی میں آئینہ تلبانیغ کی حرارت کو محسوس کر رہا تھا۔

لیکن تم سے کیے گئے وعدے کے مطابق اس کا اختیار اب تمہارے پاس نہیں ہے

۔پھر بھی آ ثار فنا کے قبل از وقت جھلک کی تمنا رکھتے ہو‘‘۔

یہ کہتے ہوئے **جبرئیل** کی زبان پر لکنت کا اثر ہو گیا۔اسے محسوس ہوا کہ کوئی قوت اندر ہی اندر اسے **عزازیل** کی مدد پر اکسا رہی ہے۔شاید یہ خدا کا حکم ہے ۔**جبرئیل** نے سوچا شاید **عزازیل** سے رفاقت کا جذبہ یا کچھ اور۔بہر حال کچھ لمحوں کے توقف کے بعد جب دوبارہ اس کی تاب گویائی واپس آئی تو اس کا لہجہ واضح طور پر بدلا ہوا تھا۔

’’اچھا ٹھیک ہے‘‘۔**جبرئیل** کہہ رہا تھا۔دراصل **شاطون** اور تمہارے درمیان اس جنگ میں خیر تمہاری طرف ہے۔اس لیے مجھے تمہاری مدد کرنی ہی چاہیے۔تم کچھ دیر رکو اور سماریل سے باتیں کرو میں اس بارہ ء خاص میں اپنے دیگر رفقا سے مشورہ کر کے واپس آتا ہوں‘‘۔

جبرئیل عرش اکبر پر گیا تو **عزازیل** کو **تلبانیخ** کے آئینہ کی تاثیر پر حیرت تھی ۔**جبرئیل** بھی اس کے دائرہ اثر سے محفوظ نہ تھا۔اس نے اس کا واضح اثر خود دیکھا تھا۔ اس نے اسے اپنی آنکھوں سے لگایا، بوسہ دیا، اور پوشیدہ طور پر اپنے لباس کے اندر رکھ لیا۔ ابھی **سماریل** سے گفتگو کرتے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ **جبرئیل** واپس آ گیا وہ تنہا نہیں تھا۔ **میکائیل** اور **عزرائیل** بھی اس کے ساتھ تھے ۔**جبرئیل** نے **عزازیل** کو بتایا کہ ان تینوں نے مل کر **اسرافیل** سے بات کی تھی تو اس نے بتایا کہ اردبان پر قیامت کے لیے دی گئی مہلت کا نصف حصہ ابھی باقی ہے۔اس مدت کو نظر میں رکھ کر میں نے **میکائیل** اور **عزرائیل** سے مشورہ کیا تو یہ دونوں **شاطون** کے خلاف تمہاری مدد کو منشائے خداوندی کے عین مطابق سمجھتے ہیں ۔ان دونوں کے پاس قیامت اور قرب قیامت کے آثار سے متعلق خدا کے واضح احکامات ہیں ۔جہاں تک خدا کے احکامات کی خلاف ورزی نہ ہو یہ تمہاری مدد کریں گے۔لیکن اپنے لائحہ عمل کے بارے میں یہ تمہیں کچھ بھی نہیں بتانا چاہتے۔

تم کو ہمارے لائحہ عمل کے جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے۔**عزازیل** ۔**عزرائیل** نے کہا۔’’یہ راز خداوندی ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔پھر بھی میں تمہیں اپنی مدد کا یقین دلاتا ہوں‘‘۔

’’**عزازیل** یہ جو تم نے غم واندوہ کی دبیز چادر اوڑھ رکھی ہے اسے فوراً اتار کر پھینک دو‘‘۔**میکائیل** نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔’’اور ہمت کے ساتھ شر کا مقابلہ کرو۔میں اس

جنگ میں ہر لمحہ تم پر نگراں رہوں گا''۔

عزازیل کے لیے یہ سب کچھ امید سے کہیں زیادہ تھا۔ اب اس کی مایوسی بتدریج امید اور یقین میں بدل رہی تھی۔ خدائے قادر کے ان کارپردازوں کا تعاون اس کی فتح کی ضمانت تھا۔ اس کے لیے وہ اپنے ان رفقا کے ساتھ **تلبانیخ** کا بھی ممنون تھا۔ واقعات کا رخ اپنی حمایت کی جانب مڑ جانے کا سبب وہ منشائے خداوندی سے زیادہ آئینہ **تلبانیخ** کو سمجھ رہا تھا۔

ابھی وہ ان رفقا کا شکریہ ادا کر کے چلنے کی اجازت طلب کرنے ہی والا تھا کہ اچانک **عزرائیل** نے تنبیہ کے انداز میں **عزازیل** کو مخاطب کیا۔ ''تمہیں خود کو **تلبانیخ** کے شر سے محفوظ رکھنا ہوگا۔ اس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو تم پر عیاں ہے۔ وہ تمہاری ہمدرد نہیں ہے''۔

عزازیل کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔ اس نے سوچا کیا **عزرائیل** نے اس کے دل کی بات جان لی ہے۔ لیکن وہ بھلا **عزرائیل** کو کیسے سمجھاتا۔ کہ **تلبانیخ** سے اس کے رشتہ کی نوعیت کیا ہے۔ اور یہ کہ اس کے ساتھ رہنا یا نہ رہنا اس کے نہیں خود **تلبانیخ** کے اختیار میں ہے۔ اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دی، ان کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا اور واپسی کی اجازت چاہی۔

واپسی کا سفر خوش گوار تھا۔ عرش اصغر پر جاتے وقت وہ جس پریشانی میں تھا اس نے اسے خلائے بسیط کے دلفریب، دل کش مناظر سے لطف اندوز ہونے کی مہلت ہی نہ دی تھی۔ اب وہ اپنے چاروں طرف موجود ستاروں، سورجوں اور سیاروں کو دیکھ رہا تھا اور یہ مناظر اس کے پژمردہ دل و دماغ کو فرحت بخش رہے تھے۔

(۶)

پھر یوں ہوا کہ ایک دن قصر **شاطون** میں موجود ہزاروں شینانی مردہ پائے گئے۔ یہ **عزرائیل** کا ایک ادنی کرشمہ تھا، جس نے **شاطون** کو اسباب و علل کی تلاش کے طلسم میں الجھا دیا تھا۔ **شاطون** اعظم کی سوجنوں کی ذہانت بھی اس کا سبب تلاش کرنے میں ناکام تھی۔ اور جب تک سبب سامنے نہ ہو، اس کا تدارک کیسے ممکن تھا۔ پھر بھی یہ تو ظاہر ہی تھا کہ

عزازیل نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا کر راست جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ اور شینا نیوں کی اتنے بڑے پیمانے پر موت بے گناہ نوشیوں کی اجتماعی موت کا انتقام تھا۔ **شاطون** **عزازیل** کی اس قوت کا راز سمجھنے سے قاصر تھا۔ بلکہ یہ اس کی توقعات سے یکسر مختلف بھی تھا ۔ کچھ بھی ہوا اب اسے اپنے دفاع کی پوری تیاری تو کرنی ہی تھی۔ اس کا اپنا دفاعی نظام تو خود کار تھا۔ جب اس کی جان پر کسی طرح کا خطرہ ہوتا یہ نظام حرکت میں آ جاتا۔ لیکن محض اپنی جان بچا لینے سے تو کام نہیں چل سکتا تھا۔ وہ سربراہ سیارہ، خدائے خدایان اردبان، قادر کل **شاطون** اعظم تھا۔ اردبان میں مقیم ہر فرد کا تحفظ اس ذمہ داریوں کا حصہ تھا۔ اور اس کی ذمہ داری کو پوری نہ کر پانے کی صورت میں اس پر لوگوں کا اعتماد خطرے میں پڑ سکتا تھا۔ لیکن اگر اسباب کی تلاش اسی طرح اس کے حصار فکر سے باہر رہی تو وہ لوگوں کو کیسے حفاظت فراہم کرے گا۔

ادھر **عزرائیل** کو آسانی ہی آسانی تھی۔ مخلوق اردبان سے خدائے قادر اس حد تک خفا تھا کہ اس نے **عزرائیل** کو لوگوں کی جان پر اختیار کلی دے رکھا تھا۔ اور **عزرائیل** خیر و شر کی تفریق سے ناواقف نہ تھا۔ وہ خیر اور شر کے آمیزہ سے شر کو الگ کر کے اسے اپنا نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری مملکت میں جس نے بھی **شاطون** کی حمایت کا اعلان کیا یا اس سے مدد طلب کی، اس کا خاتمہ یقینی ہو گیا۔ نہایت مختصر وقفے میں اس طرح مر جانے والوں کی تعداد لاکھوں میں پہنچ چکی تھی۔

میکائیل بھی خاموش نہ تھا۔ اس نے بھی اپنے طور پر آفت برپا کر رکھی تھی۔ شینا نیوں کی زیر زمین بستیوں میں جگہ جگہ زمین سے برف جیسا سرد پانی ابل پڑتا تھا۔ جو بڑے پیمانے پر جان و مال کی تباہی کا سبب بن رہا تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود ماہرین ارضیات اس کا سبب تلاش کرنے میں ناکام تھے۔ اس لیے اس کے تدارک کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس کے برعکس نوشیوں کی آبادی والے علاقے موسم کے اعتدال سے زرخیز ہو گئے تھے اور وہاں کے باشندے آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ ہونے لگا تھا کہ شینا نیوں اور تکاشیوں کے مقابل نوشی زیادہ خوش حال اور ترقی یافتہ نظر آنے لگے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ **شاطون** اعظم کا وقار، اس کی عظمت، اقبال وجاہ، قوت و ذہانت معتبر نہ رہا۔ اب لوگ اسے قادر مطلق ماننے کو تیار نہ تھے۔

شینانیوں کی اتنی بڑے پیمانے پر موت نے کرہ کائنات میں زبردست ہنگامہ برپا کردیا تھا۔آئے دن مختلف سیارے ایک دھماکے کے ساتھ اڑ رہے تھے۔اس کا سبب یہ تھا کہ خدائے سیارہ کے ارض اردبان پر مرجانے کی خبر کے ساتھ ہی اسے تباہ کردیا جاتا تھا ۔اردبان پر خداوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی تھی۔اوراسی تناسب سے کائنات میں سیارے بھی کم ہورہے تھے۔

دوسری طرف **عزازیل** مقدس کا مرتبہ روز بروز بلند ہوتا جارہا تھا۔اس کے عقیدت مندوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا تھا۔شینانیوں کونوشی بنانے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا تھا۔بالواسطہ طور پر اب **عزازیل** سیارہ اردبان کا حاکم بن چکا تھا۔لیکن جب تک **شاطون** زندہ تھا وہ حاکم مطلق نہیں بن سکتا تھا۔اور **شاطون** بے دست وپا اور بے یارو مددگار ہوجانے کے باوجود اب بھی زندہ تھا۔اب اس نے لوگوں کے تحفظ کا ارادہ ترک کرکے ساری توجہ اپنی حفاظت پر صرف کرنی شروع کردی تھی۔اسے قتل کرنا **عزازیل** کے لیے اب بھی ممکن نہ تھا۔

اس دوران **شاطون** سے **عزازیل** کا سامنا صرف ایک بار ہوا تھا۔اچانک **عزازیل** کو اپنے سامنے دیکھ کروہ ڈر گیا تھا۔ایسا ڈر جب بھی **شاطون** پر طاری ہوتا تھا۔تو ایک لمحے کے لیے اس کا سارا نظام کام کرنا بند کردیتا تھا۔**عزازیل** کواس لمحہ یہ موقع ملا تھا کہ وہ اس پر حملہ کردیتا لیکن عین وقت پر **تلبانیخ** نے آکر نہ صرف یہ کہ اس کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اسے ہوش میں لاکراس کے نظام کومتحرک کردیا اور **عزازیل** اس سنہرے موقعے کا فائدہ نہ اٹھا سکا۔**تلبانیخ** سے اس نے اس مداخلت بے جا کا سبب دریافت کیا۔تو اس نے کہا کہ اس کی وفاداریاں بنی **طارہ نوث** کے ساتھ ہیں۔وہ حتی الامکان ان کی بقا کے لیے کام کرے گی۔اسے اردبان پر بے وجہ خون خرابہ ناپسند ہے۔وہ **شاطون** اعظم کو اب بھی اردبان کا سربراہ تسلیم کرتی ہے۔اس لیے اس کا تحفظ وہ اسی طرح کرنا چاہتی ہے۔جس طرح خود اپنی اور **عزازیل** کی جان کا تحفظ وہ ہمیشہ سے کرتی آئی ہے۔

اس تنازعے نے جنگ کی صورت ضرور اختیار کرلی تھی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔بلکہ دیکھا جائے تو ایک طرح سے یہ جنگ بھی ختم ہوچکی تھی۔ اردبان پر اب **عزازیل** کا حکم **شاطون** کے حکم پر سبقت رکھتا تھا۔تباہی کا کھیل بھی رفتہ رفتہ بند ہوچکا تھا۔

لیکن **عزازیل** کی ازلی اور دیرینہ آرزو کی تکمیل کے درمیان اب بھی **شاطون** دیوار بن کر کھڑا تھا۔ یہ سلسلہ آخر کب تک جاری رہ سکتا تھا۔ **عزازیل** نے اپنی حکمت عملی اور قوت کا ایک ایک حربہ استعمال کر کے دیکھ لیا تھا۔ لیکن کامیابی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ اب وہ اس بات پر فکر مند تھا کہ خدائے قادر کی عطا کردہ مہلت کے دن پورے ہونے والے تھے۔ بالآخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ایک دن اچانک اعلان قیامت ہو گیا۔ مشرق اور مغرب دونوں جانب سے موسیقی فنا بلند ہوئی۔ اور اس کی دھن پر اردبان کی ہر چیز رقص کرنے لگی۔

عزازیل کے خواب ایک بار پھر تعبیر سے ہم کنار نہ ہو سکے۔

باب دوم

پیش ازیں

آفرینش

(۱)

جو کچھ ہوا وہ اہرمن کے لیے نیا نہیں تھا۔

اس کے لیے سب کچھ ویسا ہی ہوا تھا جیسے ایک بار پہلے ہو چکا تھا، بس واقعات کی نوعیت مختلف تھی، کردار مختلف تھے، انداز ظہور مختلف تھا لیکن نتیجہ وہی تھا۔ اسے پھر ایک بار معتوب قرار دیا گیا۔

شاہ ملائک کو آج پھر ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ آج پھر اس نے خدا کے حضور نافرمانی کا اظہار کیا، اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا،۔ اس کے اقتدار کو للکارا اور بالآخر شکست سے دوچار ہوا بالکل ویسے ہی جیسے ہزارہا سال قبل اس کے بزرگوں کے ساتھ ہوا تھا۔ اور جس کے قصے نسل بہ نسل، سینہ بہ سینہ اس تک بھی پہنچے تھے۔ ان قصوں کی صداقت پر اسے اسی طرح یقین تھا جیسے اپنے اور خدا کے ہونے پر تھا۔

وہ منشائے خداوندی کو سمجھنے سے قاصر تھا اسے یہ سب کچھ ایک بے مقصد کھیل کی طرح لگ رہا تھا۔ وہی ملائک کی بھاگ دوڑ، وہی عبادت کی طلب، وہی مسجود ملائک کی حیثیت سے ایک نئی مخلوق کی تخلیق۔ پھر کسی سیارہ کے لیے اسے اپنا خلیفہ قرار دینا۔ ایک فرد کا انکار، بغاوت یا نافرمانی۔ خدائی عتاب اور ذلت کا سامنا اور پھر وہی کاروبار دنیوی کا ایک لا متناہی سلسلہ۔ اہرمن کو اب ان سب باتوں سے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ اس سلسلہ کو

روک دینا چاہتا تھا۔لیکن یہ اس کے اختیار میں نہ تھا۔خدا کو اس سلسلے کے بار بار دہرائے جانے میں لطف آرہا تھا۔خدا کی مرضی شامل حال نہ ہوتو وہ بھلا اسے کیسے روک سکتا تھا۔

ایک طویل عرصے کے غور فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر وہ واقعی اس سلسلہ کو روکنا چاہتا ہے تو اسے بندگی کی اس بلندی کو حاصل کرنا ہوگا۔ جہاں خدا کی خوشنودی یقینی ہوجاتی ہے۔اس کے بعد وہ اپنی تمنا کی تکمیل کی استدعا کرے لیکن فوری طور پر تو اب یہ ممکن نہ تھا۔ فی الحال تو اسے پھر ایک نئ معتوب زندگی کا عذاب جھیلنے پر مجبور کردیا گیا تھا۔ پچاس ہزار سال۔ان پچاس ہزار برسوں میں اسے خدا کی نئ مخلوق اور اپنے مدمقابل طارہ نوث سے اپنی ذلت کا بدلہ بھی لینا تھا اور اپنی عبادتوں سے خدا کو خوش بھی رکھنا تھا۔تا کہ ایک لاکھ برس بعد آئندہ جب بھی یہ مرحلہ درپیش ہوتو وہ اس سے پہلے ہی اس سلسلے کو روکنے کے لیے خدا کو راضی کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ان باہم متضاد اور متصادم مقاصد کے ساتھ وہ زندگی کس طرح گزارے گا، اس کے بارے میں اس نے ابھی کوئی لائحہ عمل ترتیب نہیں دیا تھا۔

سب کچھ اس کی نظروں کے سامنے تھا وہ وقوع پذیر ہونے والے ہر عمل کا چشم دید گواہ تھا۔وہ عالم تھا۔اور جانتا تھا کہ زندگی کے بعد موت آتی ہے،اور ہر بار موت کے بعد یہ سلسلہ دو مختلف سمتوں میں گرم سفر ہوجاتا تھا۔ایک تو فنا ہونے والی مخلوق کا اس کے سابقہ اعمال وافعال کی بنیاد پر سزا یا جزا کا فیصلہ اور ان کی رہائش کے لیے دارالعقوبت یا دار الطرب میں علحدہ علحدہ اہتمام اور اس کے متوازی ایک نئ مخلوق کی تخلیق اور اس کی افزائش نسل کے بعد نئے سرے سے خیر وشر کو معرکہ آرا ہونے اور علم و بے علمی کے فرق کو واضح کر نے کے لیے ایک نئ سرزمین، ایک نئے عالم کو وجود میں لانا ،۔پھر اس کے لیے کرہ کائنات میں ایک نئے سیارے کا انتخاب۔ یہ سب کچھ ایک بار پھر اس کی نظروں کے سامنے ہورہا تھا اور وہ اس سلسلہ کا ایک کردار تھا۔ایک لازمی، متحرک اور اہم کردار۔اسے اپنا یہ کردار بہر حال ادا کرنا تھا۔جس کے تحت خدا کے حکم سے سرتابی کے بعد اسے نئ مخلوق کے سامنے خیر وشر کا معیار پیش کرنا تھا۔تا کہ یہ مثالی قرار پائے۔اسے اپنی مرضی کی نمائش کے درپردہ مصلحت خداوندی اور اس کے جبر کو پوشیدہ رکھنا تھا،تا کہ خدا کے جاہ وجلال ،عظمت وبزرگی اور رعب وتکبر کا بہتر طور پر اظہار ہوسکے۔یہ کردار سخت اور نہایت تکلیف دہ

تھا۔اسے یہ منفی کردار ناپسند تھا۔لیکن یہاں سوال اس کی پسند و ناپسند کا نہ تھا ۔اسے تو یہ کردار بہرحال نبھانا تھا۔

مخلوق نو کی آمد آمد کی خوشی میں عرش اکبر پر ملائکہ خوشی سے جھوم رہے تھے اور اہرمن کے دل میں پیدا ہونے والے طوفان اور اس کا درد جاننے اور سمجھنے کی کسی کو فرصت نہ تھی۔

(۲)

عرش اکبر پر آج ایک عظیم الشان اجتماع کا انعقاد کیا گیا تھا۔اس میں شرکت ہر فرد کے لیے لازمی تھی ۔کروڑوں ملائک ۔،لاکھوں مقربین خدا اور لاتعداد نائبین مخلوق کے لیے ان کے شایان شان نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔اس میدان کی وسعت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھنے کے لیے چشم بینا ناکافی تھی۔اس میں خود خدا کے لیے وہ تخت بلند آراستہ کیا گیا تھا جس پر بیٹھنے کے بعد افراد مخلوق کی نگاہیں اسے دیکھ نہیں سکتی تھیں۔لیکن وہاں موجود ہر فرد اس کی آواز سے اس کے وجود کا اندازہ کرسکتا تھا۔یہ اہتمام اس لیے تھا کہ وجود خداوندی نادیدہ رہے تا کہ لوگوں کے ایمان ویقین کی آزمائش پر حرف نہ آئے۔

ایک نمایاں تخت پر سورج اور مختلف آتشیں سیاروں سے حاصل شدہ آگ کے آمیز سے بنایا گیا ایک پتلا رکھا تھا۔اس کا رنگ سفید، چہرے پر دو آنکھیں، دو کان ایک منھ کچھ ہاتھ جو کبھی تو دو نظر آتے اور کبھی دو سے زائد، دو پاون تھے جن میں ایک خاص تناسب ملحوظ رکھا گیا تھا۔اسے خود خدائے قادر نے بنایا تھا۔اور اب اس کا ارادہ تھا کہ اسے روح سے مزین کرکہ حیات کے بھنور میں ڈالا جائے تا کہ تجربہ کی کسوٹی پر کس کر اس کے کھرا کھوٹا ہونے کا صحیح اظہار کیا جاسکے۔چونکہ یہ پتلہ خدا کی تخلیق تھا اور خدا نے اسے عظیم المرتبت قرار دیا تھا اس لیے تمام فرشتوں اور موجود دیگر مخلوقات کو حکم دیا گیا تھا کہ بخشش روح کے بعد وہ اس کے احترام میں باری باری اپنی گردن خم کریں۔

ابھی اس اجتماع میں آنے والوں کا سلسلہ جاری تھا۔ ملائکہ کے آخری گروہ کے آجانے کے بعد شاہ ملائک اہرمن ، جو ملائک میں سے نہ تھا، نہایت تزک واحتشام کے ساتھ آیا اور اپنے مقررہ تخت پر بیٹھ گیا۔اس کا تخت تخت خداوندی سے قریب تھا۔اسے

خدا کے بائیں طرف جگہ دی گئی تھی ۔دائیں طرف چار تخت تھے جن پر خدا کے مقربین خاص جلوہ افروز تھے۔

خداوند کائنات ، یزدان قادر کی آمد کے اعلان کے ساتھ ہی سارے موجود لوگ کھڑے ہو گئے ۔ اور اس میدان میں داخل ہوتے ہی نظریں اٹھائے بغیر ہر شخص سجدے میں گر گیا، کہ یہی حکم خداوندی تھا اسی دوران یزدان عالم نے تخت بلند پر قدم رکھا اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اب تمام لوگ اس کے اگلے حکم کے منتظر تھے۔

تخت بلند سے آواز گونجی تخت پیشین پر متمکن آتشیں وجود کو ہم نے زیور روح سے آراستہ کر دیا ہے۔ یہ ہماری قدرت کاملہ کا اعلی وارفع شاہکار ہے۔ ہم نے اس کا نام **طارہ نوث** رکھا ہے۔ اس کے اندر ہم نے ذہانت وحماقت، علم وجہل، راستی و بے راہروی اور خیرو شر جیسے متضاد عناصر کو یکجا کر دیا ہے اور اسے قدرت دی ہے کہ وہ جب چاہے اپنی صوابدید کے مطابق ان کا استعمال کرے ۔ اپنے معبود کے اس شاہکار کی داد و تحسین تمام موجود لوگ اس کے احترام میں سرنگوں ہو کر کریں کہ اسی میں خالق کائنات، یزدان قادر کی خوشنودی ہے۔

خدا کی مرضی کے سامنے تمام لوگ سر بہ سجدہ تھے ۔ اور اس کے حکم کے مطابق باری باری اس آتشیں پتلے کے سامنے جا کر اپنا سر جھکا کر اور اس کی صناعی پر اپنی حیرت اور خوشی کا اظہار کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کر رہے تھے ۔ یہ سارا منظر اور یہ ساری گفتگو اہرمن کے لیے خون کھولا دینے والی تھی ۔ وہ اندر ہی اندر بری طرح پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس غیر متوقع اور نا خوش گوار صورت حال کا سامنا کس طرح کرے ۔ خدا نے تو اس کی برتری اور بزرگی کو ہی داؤں پر لگا دیا تھا۔ اس معمولی وجود کے سامنے مجھ جیسا شاہ ملائک سرنگوں ہو کر اس کی تابع داری قبول کرے ۔ یہ میری بھی توہین ہے اور ملائک کی بھی ،جن کا میں سربراہ ہوں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے ۔لیکن وہ یہ ضرور سمجھ رہا تھا کہ مخلوق نو کے درمیان خلیفہ خدا کی حیثیت سے اس کا تقرر خطرے میں ہے، یہ آتشیں پتلہ اس کا مدمقابل اور رقیب ہے۔

وہ ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا لیکن اچانک اس نے خداوند قادر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اے رب وخاک ونور، اے مالک ارض وسما، اے آقائے کل جہاں، اے معبود

کائنات، ہم سے آخر کیا قصور ہوا۔ ہماری عبادت و ریاضت میں کہاں کمی رہ گئی۔ تیری خوشنودی کے حصول میں ہم نے کہاں کوتاہی کی۔ ہم نے ہمیشہ تیری مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔ ہم نے اپنے اندر موجود شر کو کبھی ابھرنے نہیں دیا ہے۔ کہ ہم جانتے تھے کہ یہ تیرے غضب کا سبب ہوگا ہم یہ سمجھنے سے معذور ہیں کہ آخر اس مخلوق نو کی آفرینش کا عمل ضروری کیوں ٹھہرا۔ پھر یہ تجھ سے بہتر بھلا کون سمجھتا ہے۔ کہ تو ماضی و مستقبل دونوں کا علم رکھتا ہے، کہ یہ وجود میرے مقابلے میں حقیر محض ہے میں تیری صناعی اور قدرت کاملہ کا اعتراف کرتے ہوئے درخواست گزار ہوں کہ مجھے سرنگوں ہونے کی ذلت سے بچالے کہ مجھ پر تیرے اکرام، الطاف اور عنایات کا دائرہ ہمیشہ وسیع رہا ہے''۔

''تیری اس درخواست میں تیرے تکبر کی بو آتی ہے۔ تیرے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ تو میرے حکم کی تعمیل میں **طارہ نوث** کے سامنے سرنگوں ہو جا۔ ورنہ تیرا نام ان نافرمانوں میں شامل ہوجائے گا جو قہر خداوندی کے سزاوار ٹھہرے ہیں''۔

''ایسی ذلت کے مقابلے مجھے نافرمانوں میں شامل ہونا گوارہ ہے''۔ اہرمن نے کہا میں اس وجود نو کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کرتا ہوں''۔ یہ کہتے ہوئے اہرمن کی آواز کپکپا رہی تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی قوت اسے اس نافرمانی پر مجبور کر رہی ہے۔

''افسوس کہ تو نے ہمارے الطاف وعنایات، اکرام و نوازشات کی مطلق پروانہ کی اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔ اسی لمحے سے تو مردود قرار پایا۔ اور تیرے حق میں تمام اعلیٰ مدارج و مراتب سے متعلق احکامات مسترد کیے جاتے ہیں''۔

اس کے بعد جو ہوا وہ بڑی تیزی سے ہوا۔ کوئی اسے دیکھ پایا کوئی نہیں۔ یکا یک اہرمن کے بدن سے اس کا لباس فاخرہ اتر چکا تھا اور بھرے مجمع میں وہ برہنہ کھڑا تھا۔ اس ذلت کی تاب نہ لا کر اس نے بلا تاخیر **طارہ نوث** پر حملہ کر دیا، اسے جھپٹتے ہوئے تو کچھ لوگوں نے دیکھا تھا لیکن اس کے بعد وہ کہاں غائب ہوگیا یہ کسی کو پتہ نہ چلا۔ دراصل وہ **طارہ نوث** کے وجود میں داخل ہوگیا اور اب اندر سے وہ اسے اپنے احکامات کی پابندی پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔

اہرمن کو اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت ضرور لگا لیکن اس کا یہ منصوبہ پوری طرح کامیاب رہا ۔اس نے **طارہ نوث** کو گناہ پر آمادہ کیا۔ **طارہ نوث**

نے خداوند قادر کے ارشادات کی صریح خلاف ورزی کی اور نتیجے کے طور پر اسے ارض اردبان کے ویرانوں میں ڈھکیل دیا گیا۔ جو بھی ہو رہا تھا، مصلحت خداوندی کے عین مطابق تھا۔ لیکن بظاہر ایسا ضرور لگ رہا تھا جیسے اہرمن اپنی سازش میں کامیاب ہو تا جا رہا ہے۔ اہرمن اب بھی طارہ نوث کے اندر موجود تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ **طارہ نوث** کی پہلی اولاد کی حیثیت سے اس نئی دنیا میں قدم رکھے گا۔

☆ ☆ ☆

اردبان پہنچنے کے بعد **طارہ نوث** نے دیکھا کہ وہاں مختلف اقسام کے ذی روح موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اس کے دکھ درد کا مداوا اور اس کی تنہائیوں کا مونس بن جاتا۔ وہ اپنی اس تنہائی سے پریشان تھا۔ اس نے زیادہ انہماک سے خدا کی عبادت شروع کر دی تا کہ وہ خوش ہو جائے تو اس سے اپنی خطا کی معافی بھی مانگے اور اس تنہائی کا مونس بھی طلب کرے۔ اس نے محسوس کیا کہ خدا اس کی دعاؤں کو قبول نہیں کر رہا ہے۔ شاید وہ اس سے بہت زیادہ ناراض تھا۔ **طارہ نوث** تنہائی سے پریشان ہو کر اس وسیع وعریض سرزمین اردبان پر ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا کہ ایک دن اس نے اپنے اندر سے آتی ہوئی ایک مدھم سی آواز کو سنا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ ''یہ جو تیرے پاوں میں چھالے پڑ گئے ہیں انہیں چھیل کر باہر نکالنے کی ہمت کر۔ اس سے ایک معجزہ ظہور میں آئے گا۔ جب تو اپنے جسم کے اس جز کو ہاتھ لگائے گا تو یہ تیرے جیسا ہی ایک وجود بن جائے گا۔ تو اس کا نام ایوات رکھنا اور جس طرح تو چاہے، جیسی تیری مرضی ہو، اسے اپنے تصرف میں لانا۔

طارہ نوث کو یہ آواز جانی پہچانی لگی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی لیکن اسے یاد نہیں آیا کہ اس نے یہ آواز کب اور کہاں سنی تھی۔ اسے لگا کہ ہو نہ ہو یہ خدا ہے۔ جو اس سے مخاطب ہے۔ وہ خوش ہوا کہ خدا نے اس کی خطا کو معاف کر دیا ہے۔ اس نے فوراً اس آواز کی ہدایت پر عمل کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسی جیسا ایک نسوانی وجود اس کے سامنے تھا۔ اس نے اسے ایوات کے نام سے پکارا۔ اس نے آگے بڑھ کر **طارہ نوث** کو سجدہ کیا اور ہمیشہ اس کی خدمت کرنے کا عہد کیا۔ اس نے **طارہ نوث** سے یہ درخواست بھی کی کہ اسے اپنے ساتھ رہنے اور خدمت کرنے کا موقع دے۔ **طارہ نوث** نے اسے مصلحت خداوندی سے تعبیر کیا اور فوراً اس کی درخواست قبول کر لی۔ اب وہ تنہا نہیں تھا۔

اہرمن اب **طارہ نوث** کے جسم سے اس کے پاؤں کے چھالوں کے توسط سے ایوات کے وجود میں داخل ہو گیا تھا۔ اور اب فطری انداز میں ایک مقررہ مدت کے بعد اپنے پیدا ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

(۳)

اردبان ایک خوبصورت سیارہ تھا۔ یہاں چاروں طرف حسن کی فراوانی تھی۔ درخت تھے جو پھلوں سے لدے تھے، مختلف عادات و اطوار اور شکل و شباہت کے جانور تھے جو قوی ہیکل بھی تھے اور چھوٹے بھی۔ لیکن یہ سب اس کے لیے بے ضرر تھے **طارہ نوث** بھی کبھی ان میں سے کسی کا شکار کرتا اور اپنی بھوک کا علاج کرتا۔ اونچے اونچے پہاڑ تھے، دریا تھے، جن میں حرارت بخش نیم گرم پانی ہمیشہ رواں رہتا تھا۔ ہر لمحہ ہوا چلتی رہتی تھی، جو تھکے ہوئے بدن کو سکون دیتی اور نیند پر اکساتی۔ آنکھیں بند ہونے کے بعد جو غنودگی طاری ہوتی، اس کے بعد تھکن کا نام و نشان نہ بچتا۔ اور ان سب سے بڑھ کر ایوات تھی جو بہ حسن و خوبی اس کی رفاقت کا حق ادا کر رہی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ اس دلفریب سرزمین کا یہ حسن اسے پہلے کیوں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ایوات کی رفاقت ملتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ جیسے جو بوجھ وہ عرش سے لیے ہوئے اترا تھا، اس سے اسے نجات مل گئی ہے۔ وہ اس بوجھ کو ایک ساتھی مل جانے کی خوشی پر محمول کر رہا تھا اور اسے خداوند کریم کا عطیہ سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ یہ اہرمن کا مادی بوجھ تھا اور اسی کی بخشش تھی کہ اب **طارہ نوث** کے جسم سے نکل کر اس نے **ایوات** کے جسم کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔

طارہ نوث معصوم تھا وہ **ایوات** کا ہر حکم مانتا۔ اسے خبر نہ تھی کہ ایوات کی زبان سے اس کا دشمن ازلی اہرمن بولتا ہے۔ ایوات دینی اور دنیوی نیکیوں اور عبادات الٰہی سے اسے دور رکھنے کی کوشش کرتی اور **طارہ نوث** اسے اس کی ناسمجھی سمجھ کر ٹال جاتا۔ کچھ عرصہ بعد وہ اس کا دل رکھنے کے لیے کبھی کبھی اس کی باتوں کو ماننے لگا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ کوئی اسے شعوری طور پر گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب اس بات کو عرش اکبر پر نہ معلوم کر سکے تھے تو بھلا **طارہ نوث** اپنے محدود تجربے کی بنیاد پر اسے کیسے معلوم کر سکتا تھا۔

طارہ نوث

(۱)

جب تک اہرمن ایوات کی کوکھ میں تھا۔ شر پوشیدہ تھا۔ بس وہ ایوات کے توسط سے خیر میں رخنہ اندازی کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ جس میں اسے کبھی کامیابی ملتی تھی اور کبھی نہیں ۔**طارہ نوث** کا اپنے خدا سے تعلق برقرار تھا۔ وہ رورو کر الہ واحد یزدان کائنات سے عرش اعظم پر سرزد ہوئی اپنی غلطی پر معافی ماگتا رہتا تھا۔ اور دعا کرتا تھا کہ وہ اہرمن کے شر سے محفوظ رہے۔ اپنے اندر کی آواز سن کر اسے ایک بار لگا ضرور تھا کہ خدا نے اسے معاف کر دیا ہے۔ لیکن ارض اردبان میں عناصر کی تسخیر کے دوراں ہر لمحہ اسے احساس ہوتا کہ اس کی خطا نہ تو معاف ہوئی ہے اور نہ قابل معافی ہے۔ چنانچہ وہ اپنا بیشتر وقت خدا کی یاد کی یا یاد میں صرف کرتا۔ ایوات کی کوکھ میں موجود اہرمن یہ دیکھ کر تڑپتا اور باہر آنے کو بے تاب ہو جاتا لیکن باہر آنا اب اپنے وقت پر ہی ممکن تھا۔

وقت مقررہ پر وہ باہر آیا تو جیسے اسے قید سے رہائی ملی ۔ اب وہ **طارہ نوث** اور ایوات کی پیاری اولاد رامن تھا۔ اور یہ دنیا اس کے لیے بھی اتنی ہی فراواں تھی جتنی خود **طارہ نوث** اور ایوات کے لیے۔ وہ خوش تھا کہ طارہ نوث اب اس کی زد میں ہے۔ رامن کے پیدا ہونے کے بعد جیسے **طارہ نوث** پر ایک نشے اور سرشاری کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اس کے اندر موجود صفت تخلیق تکبر کی جانب اسکی رہنمائی کرنے لگی تھی ،۔ اسے لگا کہ وہ کچھ کرنے کا اہل ہے۔ اب وہ اکثر خدا کی یاد سے غافل رہنے لگا۔ اس کا بیشتر وقت ایوات کی قربت میں گزرتا۔ اس کی عقعیدت شہوانیت سے مغلوب ہوگئی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا ایوات اور **طارہ نوث** کی اولادوں میں بڑی سرعت سے اضافہ ہوا۔ ان کی کچھ اولادیں ایوات کی طرح تھیں اور کچھ طارہ نوث کی طرح۔ یہ **طارہ نوث** کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان اولادوں میں سے تذکیر اور تانیث کے جوڑے ترتیب دیتا۔ اور انہیں حکم دیتا کہ وہ اس وسیع

وعریض سیارہ اردبان میں پھیل جائیں اور اپنا رزق تلاش کریں۔ کبھی اسے یاد آتا تو انہیں یہ نصیحت بھی کرتا کہ وہ خدا کی عبادت سے غفلت نہ برتیں لیکن اب یہ بات اکثر اسے یاد نہ رہتی تھی۔ اس کا سبب رامن کا وجود تھا۔ رامن اسے سب سے زیادہ عزیز تھا۔ وہ اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتا۔ جب جب وہ کسی کام سے کہیں جاتا **طارہ نوث** بے چین رہتا۔ اسی لیے اس نے نہ اسکے لیے تانث کا انتظام اور نہ اپنے سے جدا ہونے دیا۔

خیر وشر کے اسی توازن کیساتھ **طارہ نوث** کی زندگی گزر رہی تھی۔ خیر اس کے اندر تھا۔ اور شر ایوات اور رامن میں، جو اکثر اس کے اعمال پر اثر انداز ہوتا رہتا۔ رفتہ رفتہ یہ توازن بگڑنے لگا۔ خود **طارہ نوث** کو بھی یہ بات محسوس ہونے لگی کہ اس کے خیر پر شر کا غلبہ ہونے لگا ہے۔ یہ شر اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ اس کی رفیقہ حیات اور پسر عزیز اس شر کی نمائندگی کر رہے تھے اور وہ ان کی محبت کے سحر میں مبتلا خیر سے غفلت برتنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اسے اس ماحول سے گھٹن ہونے لگی۔ اس کے اندر خدا کا خوف تھا کہ اگر وہ گمراہی اور نافرمانی کا مرتکب ہوا تو کیا ہوگا، یزدان کائنات کی خفگی کا تصور ہی اس کے لیے ہولناک تھا۔ اس نے طے کیا کہ وہ راہ راست سے ہٹ جائے اور کوئی ان ہونی ہو اس سے پہلے ہی اسے شر سے اپنی حفاظت کرنی چاہیے،۔ چنانچہ ایک دن نہایت کا خاموشی سے اس نے ایوات کو قتل کر دیا۔ اس رفیقہ دیرینہ کو قتل کر دیا جس کی قربت اس کی تنہائیوں کے عذاب سے نجات کا سبب بنی تھی۔ یہ سرزمین اردبان پر پہلا قتل تھا۔ اس سرزمین پر مرنے والا پہلا وجود مقتول تھا۔ خون کا یہ پہلا قطرہ اس سرخ سیارہ کو خوب راس آیا۔ اسے قتل کر کہ طارہ نوث اس کی لاش پر بڑی دیر تک روتا رہا۔ اب یہ مسئلہ درپیش تھا کہ وہ اس لاش کا کیا کرے۔ کافی غور وخوض کے بعد وہ اسے ایک کوہ آتش کے دہانے پر پھینک آیا۔

جب رامن کو اپنی ماں کی قتل کی خبر ملی تو وہ گھر سے دور رزق کی تلاش میں تھا۔ اس کا پہلا ردعمل خوشی کے طور پر ہوا۔ وہ خوش تھا کہ **طارہ نوث** خدا کے راستے سے منحرف ہو کر اس کے راستے پر آ رہا تھا۔ لیکن یہ سوچ کر مغموم ہو گیا کی یہ قتل شر کا تھا اسے احساس ہوا کہ اب وہ تنہا ہو گیا ہے۔ اس کی معاون اس کی ماں اب زندہ نہ تھی۔ اس کا اا پنا وجود بھی خطرہ میں تھا۔ اس کا اپنا وجود بھی خطرے میں تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ کبھی اپنے باپ **طارہ نوث** کے پاس لوٹ کر نہیں جائے گا۔ سرزمین اردبان پر اب کئی بستیاں آباد ہو چکی

تھیں۔ وہ اپنے گھر سے مخالف سمت چل پڑا تھا۔

(۲)

ابھی رامن ویرانوں میں بھٹک رہا تھا کہ اس نے ایک دن ایک نسوانی وجود کو دیکھا۔ وہ اسے اچھا لگا۔ اس کی خواہش ہوئی کہ وہ اسے اپنے ساتھ رکھے۔ چنانچہ اس نے اس سے ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ جواب میں اس نسوانی وجود نے، جس کا نام طولان تھا، توجیہ کی کہ وہ پہلے سے ہی لاث کی تحویل میں ہے۔ رامن نے پہلے تو اسے سمجھایا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ اس کے باوجود اس کے ساتھ چل سکتی ہے۔ لیکن جب وہ آمادہ نہ ہوئی تو اس نے زبردستی اسے اپنی گود میں اٹھا کر کندھے پر لادلیا۔ وہ روتی رہی۔ لیکن اس کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کچھ دور جانے کے بعد اسے ایک غار نظر آیا۔ وہ اس میں داخل ہو گیا اور طولان کے ساتھ جنسی اختلاط کیا۔ طولان کی منت سماجت کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ چیختی چلاتی رہی۔ شر کا ایسا عریاں اظہار اس سے قبل سرزمین اردبان پر پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ ایک مرد کا اپنی قوت کے نشے میں چور ہو کر ایک کمزور عورت کے ساتھ کیا گیا پہلا گناہ تھا۔ اس عمل سے زمین پر لرزہ طاری تھا اور آسماں کانپ رہا تھا۔ لیکن رامن نے نسوانی جسم کا ذائقہ پہلی بار چکھ لیا تھا۔ وہ اس کے نشے میں سرشار تھا اور دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر تھا۔ اس پر ایک جنونی کیفیت طاری تھی۔ وہ طولان کو وہیں چھوڑ کر آگے جانے کی سوچ رہا تھا کہ لامش سامنے آ گیا۔ وہ طولان کی ہی تلاش میں تھا طولان کو روتے بلکتے رامن کے ساتھ غار سے باہر آتے دکھ کر وہ سب سمجھ گیا۔ رامن اس کا بھائی تھا۔ لیکن یہ سب دیکھ کر اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے رامن پر حملہ کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ جھگڑا اس وقت تک نہیں رکے گا جب تک دونوں میں ایک کا خاتمہ نہ ہو جائے گا۔ لامش کو زیر کر کے رامن اس کا سر ایک پتھر سے کچلنے والا تھا کہ اچانک ایک جست کے ساتھ طولان اس کے اور لامش کے درمیان آ گئی۔ پتھر اس کے سر میں لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ اس بیچ لامش سنبھل چکا تھا۔ اس نے پھر رامن پر حملہ کیا۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔ لیکن اس کا خاتمہ لامش کی موت کے ساتھ ہوا کہ رامن کی موت تو اس کے اپنے اختیار میں تھی۔ وہ اسی وقت مر سکتا تھا جب وہ چاہے۔ یا پھر اس کا زندہ رہنا خدا کو منظور نہ ہو۔

رامن نے طولان اور لامش دونوں کا قتل کر دیا تھا۔ سرزمین اردبان پر شر کے قتل

کے بعد یہ خیر کے اولین قتل تھے۔ پہلی بار شر خیر پر غالب آ گیا تھا۔ رامن نے ایک گڈ ڈھا کھود کر دونوں کو دفن کر دیا اور آگے بڑھ گیا۔

خیر کے قتل کی خبر **طارہ نوث** کو بھی ملی۔ اردبان کی کانپتی زمین نے اسے سارا قصہ سنایا۔ **طارہ نوث** غصے میں کھول نے لگا۔ اسے لگا کہ شر کو تقویت ملے اس سے پہلے ہی اسے رامن کو تلاش کر ختم کر دینا ہو گا لیکن وہ رامن کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں کر پایا تھا۔ اسنے اسی مقصد سے اردبان کے مختلف حصوں کا سفر کیا۔ زمین کے ہر حصے میں اس کی اولادیں پھل پھول رہی تھیں۔ یہ بات اس کے لیے طمانیت کا باعث تھی۔ لیکن رامن اسے نہیں ملا۔ ایسا نہ تھا کہ **طارہ نوث** سے رامن کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ دونوں کئی بار ایک دوسرے کے سامنے آئے لیکن جب جب ایسا ہوتا رامن **طارہ نوث** کی نظروں سے اوجھل ہو جا۔ ادھر رامن کو نسوانی جسم کا چسکا لگ گیا تھا۔ اسے بس ایک ہی دھن تھی کسی بھی طرح کوئی نسوانی جسم ملے اور وہ اسے لطف اندوز ہو۔ **طارہ نوث** جہاں جہاں جاتا اسے رامن کے مظالم کی داستاں سننے کو ملتی سرزمین اردبان پر خیر تھا تو لیکن ہر جگہ اس پر شر غالب تھا۔ **طارہ نوث** کے لیے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔ مجبور ہو کر اس نے خدا سے رجوع کیا۔ اور شر میں مبتلا اہل اردبان کے حق میں بد دعا کی۔

بارگاہ یزدان میں **طارہ نوث** کی دعا مقبول ہوئی۔ خدائے کائنات کا حکم ہوا کہ طارہ ج نوث ایک بڑی کشتی تیار کرے جس میں خیر کے نمائندوں کے ساتھ سرزمین اردبان پر موجود ہر جانور کا ایک ایک جوڑا بھی ساتھ ہو۔ اور اس کے بعد خدا کے کرم کا امید وار ہو۔ **طارہ نوث** نے لوگوں کے طنز و تعریض کے باوجود حکم خداوندی کی تعمیل کی۔ آل **طارہ نوث** کو مختلف آزمائشوں سے گزارا گیا تا کہ خیر کو شر سے علاحدہ کیا جا سکے ج۔ پتہ چلا کہ اس کی اولادوں میں سے صرف تین جوڑے ہی خیر کے نمائندے ثابت ہوے۔ **طارہ نوث** نے جب انہیں عذاب خداوندی کے بارے میں تو انہوں نے شک نہیں کیا اور فوراً کشتی محفوظ میں اکر خود کو خدا کیا پناہ میں دے دیا۔ کشتی میں جب تمام جانور اور نمائندگان خیر آ گئے تو وہ خدا کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ حکم کے بدلے عذاب خداوندی نازل ہوا۔ زمین سے آگ کے چشمے ابل رہے تھے۔ آسمان سے آگ کی بارش ہو رہی تھی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس عذاب نے ساری دنیا کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ یہ وہی مشہور

زمانہ سیل آتشیں تھا جسے پھر ارض اردبان میں کبھی بھلایا نہیں جا سکا۔ یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک کشتی محفوظ کے باہر ایک ایک فرد کی موت سے ہم کنار نہیں ہو گیا۔

رامن نے بھی اس عذاب خداوندی کو دیکھا اسے پہلے تو لگا کہ شاید اس سے کہیں کوئی چوک ہو گئی ہے۔ لیکن حالات کا تجزیہ کرنے میں اسے دیر نہیں لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ روایات اہرمن کا ارض اردبان میں قیام کسی طور یزدان کائنات کو گوارہ نہیں ہوا۔ مقابلہ مشکل تھا اس لیے اس نے اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوے سب کچھ نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ ہنگام اخروی نہیں ہے۔ اس عذاب سے یقینا **طارہ نوث** اور آل **طارہ نوث** میں سے کچھ لوگوں کو بچا لیا گیا ہوگا۔ یہ لوگ زندہ رہیں گے اور سلسلہ حیات اور کاروبار خداوندی کو آگے چلانے میں معاونت کریں گے۔ پہلے اسے خیال ہوا کہ وہ کسی بلند پہاڑ پر پناہ لے لیکن وہ قدرت خداوندی سے واقف تھا۔ اسے خود اپنا خیال احمقانہ لگا۔ عذاب خداوندی کا مقابلہ کرنا اس کے حیطہ قدرت سے باہر تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کی اسے فوراً ہی موت قبول کر کے اس وقت کو آئندہ کوئی مناسب لائحہ عمل ترتیب دینے میں صرف کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے خود کو اس سیل آتشیں کی نذر کرنے کے لیے آمادہ کر لیا اور خدا کے نازل کردہ جبر کو اپنے اختیار میں تبدیل کر کے نہ صرف اپنے وقار کا تحفظ کر لیا بلکہ ایک اعتبار سے اس نے اس جنگ میں فریق مخالف کی تمام کاروائی کو غیر افادی بھی ثابت کر دیا۔ مرنا اس کے اختیار میں تھا اور اس نے اپنے اس اختیار کا استعمال کر لیا تھا۔ پیدا ہونا بھی اسکے اختیار میں تھا اور اس کے لیے ابھی اسے مناسب وقت کا انتظار کرنا تھا۔

یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ عذاب یزدانی کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کشتی محفوظ میں موجود لوگ اب طویل سفر سے اکتانے لگے تھے۔ بالآخر اس کا اختتام ہوا۔ **طارہ نوث** کی کشتی کوہ غازیل کی چوٹی پر رکی اور یہیں سے ایک بار پھر ارض اردبان پر جنوں کی آبادی کا سلسلہ شروع ہوا۔

تنہائی کے مسلسل کرب اور **طارہ نوث** کی تباہی غم میں طارہ نوث بے چین تھا۔ کسی کام میں اس کا جی نہ لگتا، وہ جانتا تھا کہ اس کرب کا علاج یاد الہی ہے۔ چنانچہ اس نے دنیا ترک کر دی اور اپنا سارا وقت خدا کی یاد میں گزارنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کے وجود کا خیر عروج پر

آیا اور اسے شر سے پوری طرح نجات مل گئی۔ یاد خدا میں اسے لطف آنے لگا تھا۔ وہ یہاں تک مصروف شاد رہتا کہ اکثر اسے حصول رزق کی تگ و دو کے لیے وقت نہ ملتا۔ جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ اس کا جسم ناکارہ ہوتا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن وہ خدا کی یاد میں اس سے ملنے کی تمنا میں ایسا تڑپا کہ خدا کو اس پر رحم آ گیا۔ خدا نے اسے اپنی بارگاہ میں آنے کی اجازے دیدی۔ **طارہ نوث** کو جب یہ مژدہ **عزازیل** نے سنایا تو وہ سجدے شکر میں گر گیا۔ ااس کی تمام خطائیں معاف کر دی گئی تھیں۔ اسے عرش اکبر پر جگہ دی گئی۔ لیکن اسے ان اکتنیارات سے بہر حال محروم رکھا گیا جو سابقہ حیثیت سے اسے حاصل تھے۔ آل **طارہ نوث** سے ملاقات کی ممانعت کر دی گئی۔ اب وہ سزا یافتہ بندہ خدا تھا۔ اسے وہ مرتبہ میسر نہ تھا جسے وہ یہاں چھوڑ گیا تھا۔ لیکن قرب خداوندی کی مسرت اور اپنی موجودہ حالت سے وہ پوری طرح مطمئن تھا، اسے کسی سے کوئی شکایت نہ تھی۔

طارہ نوث کے اردبان چھورنے کی خبر اس کی اولادوں کو ملی تو انہیں اس کا دکھ ہوا۔ لیکن جلد ہی وہ اپنی معمول کی زندگی جینے لگے۔ البتہ کبھی کبھی وہ اس موضوع پر بحث کر لیتے کہ **طارہ نوث** کو جسم سمیت اٹھایا گیا تھا، یا صرف اس کی روح خدا تک پہونچی تھی۔ یہ بحث کبھی کبھی ایک نئے شر کی خبریں مضبوط کرنے میں معاون ہوتی اور وہ خون خرابہ ہوتا کہ لوگ خدا سے پناہ کی دعا کرتے۔ جو بھی تھا ارض اردبان پر خیر اب آل **طارہ نوث** کے وجود سے تھا۔ اور شر اہرمن کے عدم میں موہوم۔ کاروبار دنیوی میں خیر کا غلبہ تھا اور یہ نئی دنیا پہلے کے مقابلے میں زیادہ بہتر طور پر اپنے ارتقا کا سفر طے کر رہی تھی۔ لیکن شر ایک مختلف شکل میں آل **طارہ نوث** کے اندر اپنی جڑین مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ اہرمن کی نئی حکمت عملی کا کرشمہ نہ تھا کہ سرزمین اردبان اس کے وجود سے پاک تھی۔ اس کا نمائندہ خواب راحت میں تھا۔ یہ آل **طارہ نوث** کے اندر موجود ان کا اپنا شر تھا۔ اس شر کا مظاہرہ ان کے علم و حکمت میں بھی ہو رہا تھا۔ اور دانش و بینش میں بھی۔ علم کے میدان میں ان کی ترقی اس منزل پر تھی کہ وہ جان گئے تھے کہ ان کے باپ **طارہ نوث** نے ان کی ماں ایوات کا قتل کیوں کیا تھا۔ خیر و شر اپنی عریاں شکل میں ان کے سامنے تھا۔ اور انہیں انتخاب کا اختیار تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب جب انہیں اپنے رفیق سے نجات کی طلب ہوئی وہ بلا تامل روایت **طارہ نوث** کی پیروی کرتے ہوے اس کا قتل کر دیتے۔ کچھ

کو بعد میں اپنے اس عمل پر شرمندگی ہوتی لیکن کچھ کو شر کی رفاقت خیر کے مقابلے میں زیادہ دلکش لگی اور وہ اپنے لیے اس کی مدد سے دنیوی آشائشوں کے حصول میں مصروف ہو گئے۔

(۴)

جنوں میں ترقی کی رفتار حیرت انگیز تھی انہوں نے علم و ذہانت کے مدارج بری تیز رفتاری سے طے کیے تھے۔ عناصر کا علم، اجزاء کے حدود کا علم، نفسیات جن، افادات موجود ونا موجود اس ابتدائی عہد میں ہی ان کے موضوعات بحث بن چکے تھے۔ رہائش کے لیے انہوں نے درختوں کے سائے سے پختہ مکانوں تک کا سفر طے کر لیا تھا۔ سورج کے متبادل کی تلاش ان کی ترجیحات میں ضرور تھی لیکن اس کی کرنوں کو محفوظ رکھ کر ان جگہوں کو روشن کرنا جہاں روشنی کی ضرورت تھی وہ سیکھ چکے تھے۔ دریاوں کی ایجاد کی جگہ انہوں نے قدرتی دریاوں کی دریافت پر توجہ مرکوز کی تھی۔ یہ بات ان کے علم میں تھی سیارہ اردبان میں کہاں کہاں اور کتنے دریا ہین۔ پانی کو روک کر وہاں پہونچانا جہاں اس کی ضرورت تھی ان کے دائرہ اختیار میں اچکا تھا اپنے مختلف کاموں کو آسان بنانے اور حصول رزق کے لیے کم از کم محنت کے لیے انہوں نے اپنی ساری صناعی کے کرشمے دکھائے تھے۔ اس میدان میں اپنی کامیابی کے جھندے وہ مسلسل گاڑ رہے تھے اپنی سہولت کے لیے انہوں نے کوہ آب فشاں کے دہانے کا رخ غیر اباد علاقوں کی جانب موڑ دیا تھا، اور اب انہیں اس عذاب سے نجات مل چکی تھی۔ جنوں کے لیے مضر درندے اب پورے طور پر آہنی پنجڑون کے پیچھے تھے۔ اور ان دنوں ان کا استعمال نئی نسل کی تفریح اور فراہمی علم کے لیے ہونے لگا تھا۔ ابوالجن حضرت طارہ نوث کے ارض اردبان پر قدم رکھنے کے بعد جنوں کی قوت پرواز چھین لی گئی تھی، اس کی باز یافت کے لیے مسلسل غور و فکر اور عملی اقدام جاری تھا لیکن ابھی اس سمت میں خواطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

جنوں کی زندگی اب پہلے کے مقابلے زیادہ آسان زیادہ دلچسپ اور زیادہ دلکش ہو گئی تھی جنوں میں یاد خداوندی اور وصال خداوندی کی خواہش دم توڑ چکی تھی ان کی اکثریت اب رفتہ رفتہ خدا کے وجود کی منکر ہوئی جا رہی تھی۔ موت سے انہیں نجات نہیں

مل پائی تھی۔ کسی نہ کسی بہانے سے وہ اب بھی اپنی مرضی اورارادے کے خلاف مرجاتے تھے۔لیکن اس سمت اچھی خاصی پیش رفت ضرور ہوئی تھی۔اسباب موت کے تدارک کے لیے سیارہ اردبان میں جگہ جگہ علاج گاہوں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔یہاں موجودمعالجین اکثرموت کے منہ میں پہنچ جانے والے جنوں کوبھی زندگی کے حصار میں کھینچ لاتے تھے فطرت اورصنعت کا توازن بگڑ گیا تھا۔رفتہ رفتہ چیزیں اپنی فطرت سے دور ہورہی تھیں۔ اورلوگون کواپنے صنعتی کمالات مظاہرقدرت کے مقابل بہترمعلوم ہوتے تھے۔چنانچہ لوگ جوق درجوق اپنی فطرت کے جبر سے نجات حاصل کرنے آنے لگے تھے۔

غرض جنوں نے جیسے جیسے ترقی کے منازل طے کیےقوانین فطرت میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔وہ چاہتے توسورج،چاند، تارے،دریاپہاڑ،درخت جانور،غرض یزدان نے کائنات کی پیداکردہ ہرچیزاپنی اہمیت اورمعنویت کھودے۔وہ ہرفطری چیز کامتبادل تلاش کررہے تھے۔تاکہ انہیں ہرچیز پردست رس حاصل ہو۔تاکہ فطرت کا ہر جبران کے اختیار میں ہواورخداان کے معاملات میں رخنہ نہ ڈالے۔وہ خدا کی ہرتخلیق کا متبادل تلاش کرنے کے بعدخداکامتبادل تلاش کرنے کے خواہش مند تھےلیکن یہ منزل ابھی دورتھی۔

(۵)

رامن کے پردہ خفا میں چلے جانے کے بعدجیسے اردبان میں ترقی کی رفتاررک گئی تھی۔جیسے ان سب باتوں کے پیچھے راست یابالواسطہ اسی کا ہاتھ تھا۔تقریباایک ہزارسال تک ہررکاوٹ پرلوگ رامن کویادکرتے رہے،اس کا حوالہ دیتے رہے۔پھرانہیں لگا کہ ذہانت کے سفرمیں کسی ایک شخص پرتکیہ کرنامفیدنہیں ہے۔اس خیال نے ان میں خود اعتمادی پیداکی۔اوررفتہ رفتہ ترقی کی رکی ہوئی رفتارپھرمعمول پرآنے لگی۔

ترقی کی یہ رفتارجاری تھی۔لیکن جنوں کے درمیان خط انقسام نہیں کھینچا تھا۔ان میں اکثرباہمی جھگڑے ہوتے تھےلیکن سفیراول ابوالجن حضرت **طارہ نوش** کا احترام سب کے دلوں میں تھالوگ ان کا نام عزت واحترام سے لیتے تھےاوراپنے آپ کواس کی نسل ظاہرکرکے خوشی اورفخرکااحساس کرتے تھے۔ان ترقیات کے پہلوبہ پہلوارض

اردبان پر خدا کا نام اب بھی شناسا تھا، عابدوں، زاہدوں اور خدا پرستوں کی مجموعی تعداد خدا دشمنوں کے مقابلوں میں بہر حال زیادہ تھی، لیکن اب اسے ذاتی عقیدہ کا مسئلہ قرار دے کر اس بنیاد پر نفرت اور محبت کی استواری کا امکان ختم کر دیا گیا تھا۔ کس کا عقیدہ کیا ہے، کس کا طریقہ عبادت کیا ہے۔ کون کس طرح زندگی جیتا ہے اس سے کسی دوسرے کو مطلب نہ تھا۔

مجموعی طور پر اردبان پر امن وانصاف کی حکمرانی اب بھی موجود تھی۔ اپنے مفادات کے تحفظ کے ساتھ لوگ دوسرے کے مفاد کا خیال رکھتے تھے۔ عام طور پر لوگ دوسروں کو ضرر پہونچانے سے گریز کرتے تھے۔ شر پر اب بھی خیر کا غلبہ تھا، حامیان یزدان اب بھی مداحان اہرمن پر فوقیت رکھتے تھے باہمی زندگی میں بے راہ روی اور گناہ پروری کی رغبت جہاں موجود تھی وہاں بھی جب ظاہری طور پر ترجیحات طے کرنے کی بات ہوتی تو لوگ حق کے مداح اور پیرو ہونے کا ہی اعلان کرتے۔ نیکیوں کا اظہار اور گناہوں کو پوشیدہ رکھنا اب بھی لوگوں کے مزاج کا حصہ تھا۔

(٦)

یزدان کائنات نے اہرمن کی طلب پر اسے سرزمین اردبان پر سات بار پیدا ہونے کی اجازت دی تھی، اسے اپنی موت پر جزوی اختیار بھی دیا گیا تھا، اور اپنی پیدائش کے لیے مناسب جگہ کے انتخاب کا حق بھی اس کے پاس تھا، اس کے پاس کچھ خصوصیات اور بھی تھیں۔ ساتھ ہی کچھ پابندیاں بھی۔ مثلا ہر بار اس کی مجموعی عمر اس کے سابقہ عمر سے زیادہ نہ ہوگی۔ ہر بار اس کے آرام کا وقفہ اس کی زندگی کے وقفہ سے کم ہوگا، ہر بار اس کے مزاج میں شر کا کچھ حصہ کم ہوگا اور خیر کا حصہ بڑھ جائے گا۔ ہر بار اس کے والدین اور مقام ورود مختلف ہونگے۔ ہر بار اس کی ذہانت میں اضافہ ہوگا، ہر بار سابقہ علم بھی اس کے ساتھ رہے گا، اسے کسی بھی چیز کو دوبارہ جاننے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہر بار اسے اپنا ظاہری حلیہ بدلنا ہوگا۔ ہر بار اس کی شناخت ایک نئی شخصیت اور ایک نئے نام سے ہوگی، اگر وہ اپنی سابقہ شناخت ہٹانے کی کوشش بھی کرے گا۔ تو لوگ اس پر اعتبار نہیں کریں گے۔ ہر

باراس کے اقتدار اور اثر ورسوخ میں اضافہ ہوگا۔ اور ہر بار اور ہر لمحہ اسے اس بات کا اختیار حاصل ہوگا کہ وہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر خود کو حیات وممات کے اس سلسلہ سے باہر نکال لے۔ خدائے غفار نے جس طرح **طارہ نوث** کی خطا معاف کر دی تھی اسی طرح اہرمن کی خطا بھی معاف کرنے کو تیار تھا۔ بشرطیکہ وہ دل کی گہرائیوں سے اسی طرح معافی کا طلب گار ہو جس طرح **طارہ نوث** ہوا تھا۔ لیکن جس طرح طارہ نوث کا سابقہ منصب بحال نہیں کیا گیا تھا اسی طرح اہرمن کا شاہ ملائک کا منصب اور خدا کا قرب خاص ائندہ کبھی بھی ممکن ہونے والا نہیں تھا۔

(۷)

عرش اعظم پر خدائے قادر اردبان پر ہونے والی پیش رفت اور سرگرمیوں سے مطمئن تھا۔ فرشتوں کو حیرت تھی کہ شر کے باوجود خدا کا اطمینان کیسے برقرار ہے۔ وہ اسرار خداوندی سے بہر حال واقف نہیں تھے۔ اس سے واقفیت کے لیے وقت کی تسخیر ضروری تھی۔ کسی محدود وقت کا اسیر، جو ماضی حال اور مستقبل سے اگے نہ سوچ سکتا ہو ان اسرار کو سمجھ نے سے قاصر تھا۔

فرشتے خاموش تھے لیکن یزدان کائنات مسرور تھا۔

اہرمن

(۱)

آٹھ ہزار سالہ زندگی کی تھکن دو ہزار سال کی نیند سے اتارنے کے بعد اہرمن نے تازہ دم ہو کر غراموت کی حیثیت سے دوبارہ جنم لیا۔ اس بار اس نے سموک کے گھر اور اندارا کی کوکھ سے پیدا ہونا پسند کیا تھا۔ سموک کو زمین سے رزق پیدا کرنے کا شوق تھا وہ آبادی سے دور نسبتاً ویران جگہ میں رہتا تھا شندگی گزارنا اس کے لیے کبھی آسان نہ تھا وہ ہمیشہ کم یافت اور زیادہ ضروریات کے مسائل میں مبتلا رہتا تھا اہرمن نے اس کا انتخاب شاید اسی لیے کیا تھا کہ وہ اپنی گزشتہ زندگی کے ہنگاموں سے اکتایا ہوا تھا۔ لیکن اس کی مصلحتوں کو سمجھ پانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے، یقیناً اس انتخاب کے پس پشت کچھ اور اسباب بھی کار فرما رہے ہوں گے۔

غراموت کا مقصد حیات وہی تھا۔ جو رامن کا تھا۔ لیکن اس بار پرورش کا جو ماحول اسے ملا تھا، اس کے اپنے اثرات تھے۔ اس کے مزاج کی تشکیل میں اس کے والدیں کے مزاج کا بھی کچھ حصہ تھا۔ چنانچہ معمولی معمولی چیزوں کو دیکھ کر حسد کرنا، کم سے کم وسائل حیات کے استعمال سے زندگی گزارنا اور بات بات پر مایوس اور ناامید ہو جانا بچپن ہی سے اس کے مزاج کا حصہ بن گئے تھے۔

ہوش سنبھالنے کے بعد جب اپنی ازلی خصوصیات اور حالیہ مزاج کے ساتھ اس نے اپنے سیارے کا جائزہ لیا تو صورت حال نہ تو اتنی تشویش ناک تھی کہ وہ مایوسی اور ناامیدی کا شکار ہو جاتا اور نہ اتنی تسلی بخش کہ اطمینان سے بیٹھ کر اس جہان آتش کا دیدار کرتا رہتا۔ اس کے پردہ خفا میں جانے کے وقت سے اب تک کوئی بڑی اور قابل ذکر تبدیلی

نہیں آئی تھی ۔ہاں وہ خود اپنے اندر ضرور تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ وہ تازم دم تھا طویل آرام نے اس کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ اسے نہ تو اپنی منزل دشوار لگ رہی تھی اور نہ حالات ساز گار،۔البتہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے دل میں کچھ محبت اور رحم کے جذبات بھی عود کر آئے ہیں، جن کا وہ مناسب وقت پر اپنے حصول مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ ان دس بارہ ہزار سالوں میں اردبان میں ایک بڑی تبدیلی یہ آئی تھی کہ پورہ سیارہ چھوٹے چھوٹے زمینی خطوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ ہر خطے کا ایک علاحدہ سر براہ تھا اور ہر سر براہ اپنے حدود اختیار میں رہ کر اپنے تحفظ کا ہی ذمہ دار تھا۔ سیارہ عظیم ردبان کی بقا کی اجتماعی سوچ مفقود ہو چکی تھی خود غرضیوں نے حب الوطنی کا لبادہ ذیب تن کر رکھا تھا۔ بے شمار خطوں اور ان کے سربراہوں کے باہمی رشتے اچھے نہیں تھے یوں بظا ہر یہ ایک دوسرے سے محبت اور رفاقت کا دم بھرتے تھے لیکن وقت آنے پر یہ سب اپنے اپنے مفادات کے حصار میں چلے جاتے اپنے مفاد کے لیے دوسرے کا زیاں ان کی روایا ت کا حصہ بن چکا تھا۔ ابوالجن حضرت طارہ نوث کا یہ فرماں کہ سیارہ امان اردبان ایک غیر منقسم اکائی ہے۔لوگوں کی یادداشت سے محو ہو چکا تھا۔ بنو تارہ نے باہمی اختلاف کو نفاق کی بنیاد علاحدگی کو ہمیشہ اتحاد پر ترجیح دی تھی۔ یہ سلسلہ اب بھی بے روک ٹوک جاری تھا۔ اور ائے دن کسی خطے کے مزید تقسیم ہوجانے کی خبر ملتی رہتی تھی۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ زندگی کی آشائشوں نے جنوں کو جسمانی طور پر بیمار بنادیا ہے ۔ان کی فطری قوت سلب ہو چکی تھی اس کمی کو انہوں نے مختلف طریقوں سے پورا کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے ایک سے ایک مہلک آلات حرب وضرب کیا یجاد کی تھی۔ تا کی وہ خود کو دوسرے سے قوی ثابت کر سکے۔ اس نے بیماریوں سے نجات حاصل کر لی تھی۔ اب اس کے اعضائے جسم خراب ہونے پر بدلے جاسکتے تھے۔ ان کی تیاری کے لیے بڑے بڑے کارخانے وجود میں آچکے تھے۔ کچھ عرصہ بعد غراموت کو کچھ اور نئے مناظر دیکھنے کو ملے ۔جنوں نے اپنی ذہانے کو فروغ دینے کے لیے اپنے سروں میں مصنوعی دماغ لگا لیے تھے اس بنیاد پر اب واضح طور پر جن اور اولاد **طارہ نوث** دو قسموں میں تقسیم ہو چکی تھی ۔فطری جسم کے مالک جن اب نوشی کہلاتے تھے۔ جو غالبا اپنے جدا علے سے اپنی نسبت

کے اظہار کی ایک تبدیل شدہ شکل تھی اور دوسرے لوگ جو اپنے قوی اور اعصاب میں بہتری کے لیے مصنوعی اعضاء کا استعمال کرتے تھے۔شینانی کہلانے لگے تھے۔ یہ لفظ ان کی روایت سے بغاوت کا مظہر تھا۔جنوں کی یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے نفرت کرتی تھیں اور ایک ساتھ رہنا انہیں پسند نہ تھا۔

غراموت نے اپنی نوجوانی کے زمانے میں ہی اپنے والدین کو چھوڑ کر آبادی میں رہائش اختیار کر لی تھی اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ تبدیل شدہ حالات میں والدین کے ساتھ رہنا معیوب سمجھا جانے لگا تھا۔لیکن اصل بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ رہنے میں غراموت کی شہ کمزوری کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔لیکن اس علاحدگی سے بھی اسے اپنے ازلی مقصد میں خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی تھی اس نے اپنی سرگرمیاں بڑے جوش وخروش سے جاری رکھیں لیکن لوگوں نہ میں اس کا اعتبار بنا نہ عزت ملی اور نہ مقبولیت۔وہ ہمیشہ ایک معمولی باپ کا معمولی بیٹا ہی سمجھا گیا۔اس عہد میں عزت وقار کے لیے کچھ اور ہی خصوصیات کی ضرورت تھی۔ یہاں ہر شخص اپنے آپ میں ڈوبا تھا۔اپنے مفادات کا تحفظ ہر ایک کا مقصد اولی تھا۔اور غراموت کسی کے مقصد سے ہم آہنگ نہ تھا لوگوں کو اس کی باتیں کسی مجذوب کے بڑ سے زیادہ اہم نہ لگتیں۔اس ترقی پزیر عہد کا مقابلہ کرتے ہوئے اس نے تقریبا ساڑھے سات ہزار سال کا وقت گزار دیا تھا۔لیکن کامیابی کا سرا نہ اپنے ماضی سے جوڑنے میں کامیاب ہوا اور نہ مستقبل سے امید کی کوئی کرن پھوٹی۔اسے لگا کہ یہ اس کی زندگی رائیگاں گئی جس کا اسے بے حد افسوس ہوا، وہ اب مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔وہ تھک بھی گیا تھا۔اس نے سوچا کہ یہ وقت اس کے وجود سے ہم آہنگ نہیں ہے۔اس لیے اسے فورا اپنے روح کو آرام دینا چاہیے۔چنانچہ اس نے فورا ہی اپنی دوسری موت قبول کر لی۔

(۲)

تقریبا ایک ہزار اٹھ سو سال آرام کرنے کے بعد جب اہرمن نے انکھ کھولی تو اسے دنیا کا رنگ کافی بدلا ہوا دیکھائی دیا۔اسے لگا کہ اب وہ مناسب وقت آگیا ہے۔جب

اسپھر سے جنم لینا چاہیے ۔اس بار وہ کوئی غلطی کرنا نہیں چاہتا تھا۔بعد تلاش بسیار اور نہایت عمیق غور وفکر کے نتیجہ میں اس نے اس بار ایک ماہر صناع کا گھر منتخب کیا تھا اس کا نام غساق تھا اور اردبان کے گوشے گوشے میں لوگ اسے نئے عہد کے معمار کی حیثیت سے جانتے تھے۔اس کی ذہانت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔متعدد ایجاد کا سہرا اس کے سر تھا۔اس نے تلموث کے ساتھ رہتے ہوے ایک طویل عرصہ گزار دیا تھا لیکن ہنوز اولاد سے محروم تھا۔وہ اولاد کا خواہش مند تھا۔اور صاحب اولاد نہ ہونے کا ذمہ دار اس خدا کو سمجھتا تھا جو اسے اس کی ایجادات کے گناہ کی سزا دے رہا تھا۔ویسے بھی اس عہد میں خدا پر یقین کچھ یوں ہی سا رہ گیا تھا۔اور جو تھوڑا بہت ذکر رہگیا تھا اس میں اسے محض قاہر و جابر کی حیثیت حاصل تھی۔لوگ اب اسکے رحمان ورحیم ہونے کے منکر تھے

اچانک ایک دن تلموث نے غساق کیو خبر دی وہ عنقریب اس کی دیرینہ خواہش پوری کرنے والی ہے۔اور یہ بات غلط نہ تھی کچھ عرصہ بعد وہ ایک نہایت ہی حسین وجمیل بچے کا باپ بن گیا۔اولاد پا کر اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔وہ خدا کے حضور سجدہ شکر میں گر گیا ۔اپنے اس بے ساختہ عمل کا سبب اسے خود نہ معلوم تھا۔کہ یہ کیسے ہوا۔

حالانکہ غساقکی نگرانی میں متعدد نوشی شینانی بنایے گیے تھے اور وہ اس تحریک کا حامی اور معاون تھا۔لیکن وہ خود ایک نوشی تھا۔خود اپنی ذات کی حد تک وہ قدامت پسند تھا اور اپنے جسم کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ اسے پسند نہ تھی۔غساق اور تلموث نے اپنے بچے کا نام تلموث رکھا۔شرلات کی حیثیت سے اہرمن کا یہ بچپن بہت آرام وآشائش کے ساتھ بسر ہوا۔ اس کو ااچھی تعلیم ملی۔اس با قاعدہ تربیت نے اس کے وجود کونئی قوت دی۔

اس بار اسے پوری امید تھی کہ وہ اپنے سابقہ ناکام تجربے سے دوبارہ مقابل نہ ہوگا۔

لیکن اسی بیچ ایک بالکل غیر متوقع حادثہ ہوگیا۔جس نے شرلات کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔اور اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ اپنے مقصد سے دور جا پڑا ہے۔ہوا یوں کہ اسے ایک بار اپنے ایک ہم عمر پر غصہ آ گیا۔سبب یہ تھا کہ اس نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا،وہ اسے تفریح کے بہانے ایک ویرانے میں لے گیا اور قتل کر دیا،اپنا یہ عمل اسے دل چسپ بھی لگا اور مسرت بخش بھی۔اس کا جی چاہتا تھا کہ اسے بار بار دہرائے،چنانچہ اس نے کسی نہ کسی بہانے ان تمام لوگون کو قتل کرنا شروع کیا جو اس کی بات نہ سنتے تھے یا اس کی

مرضی کے خلاف کام کرتے تھے ،شرلات کے اس طریقہ کار سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوئے ۔انہیں بھی یہ طریقہ پسند آیا۔ چنانچہ ایسے تمام لوگوں نے اسے اپنا سر براہ تسلیم کرلیا ،یہ گروہ سارے سیارے پر قتل وغارت گری کرتا رہتا۔ رفتہ رفتہ اس رجحان کو تقویت ملتی رہی ۔دولوگوں کے درمیان ۔ دوشہروں کے درمیان ، دومملکتوں کے درمیان ، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا قتل وغارت گری پر ہی منتہی ہوتا، اس غارت گری سے سرلات خوش اور مطمئن تھا۔ وہ اسے نیک کام سمجھ رہا تھا۔ کہ اس سے زمین کا بوجھ بھی کم ہو رہا تھا۔ اوراسے خوشی بھی ملتی تھی ۔ وہ جی بھر کر اسکے مزے لوٹ رہا تھا۔

اس غیر متوقع رجحان نے سر زمین اردبان پر ارتقا اور ترقی کے راستے روک سیے تھے ۔اس کی رفتار بہت سست ہوگئی ۔لوگوں نے مرنا ، مارنا اور تباہ ہونا سیکھ لیا تھا۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس دام فریب میں الجھتے جا رہے تھے لیکن تباہ ہونے والیا کثر لوگ شیبنائی تھے ،نوشی اس ہنگاموں سے دور تھے ، وہ اب بھی خدا پرستی میں پناہ ڈھونڈتے تھے اور خدا سے حالات کے بہتر ہونے کی دعا کرتے رہتے تھے ،شرلات کو اپنے اس عمل کی بے معنویت کا احساس اس وقت ہوا جب اس کا روک پانا اس کے اختیار سے باہر ہو گیا۔ اس نے جی توڑ کوششیں کیں کہ لوگوں کو اس شر سے باز رکھے اور اپنے طے شدہ مقاصد کے لیے کام کرے لیکن ہزار ہا برسوں کی اس کی محنت کام نہ آئی اس تگ ودو میں وہ بری طرح تھک گیا اسے پھر آرام کی حاجت ہوئی ۔ بالآخر وہ تھک ہار کر ایک بار پھر موت کی نیند سو گیا۔

تلویث کے نام سے اہرمن نے جب چوتھی بار جنم لیا تھا تو سیارہ اردبان پر ورود **طارہ نوث** کو ستائیس ہزار سات سو سال ہو چکے تھے ۔اب کی بار اس نے جن والدین کا انتخاب کیا تھا۔ وہ اپنے شہر کے سرکردہ تاجروں میں شمار ہوتے تھے تلویث نے یہ انتخاب اس لیے کیا تھا کہ کافی عرصہ بعد اس نے کسی عورت کو زندگی کے کارہائے ضروریہ میں مردوں کے برابر حصہ لیتے دیکھا تھا۔ ورنہ ایوات کے قتل کے بعد تو عورت ہمیشہ ہی مردوں کے دست نگر اور معتوب رہی ۔ تھی اور تلویث سے بہتر اس بات کو بھلا کون جان سکتا تھا۔ کہ یہ جنس اس کے لیے کتنی کارآمد ہے۔ اس بار اسے سونے کا وقت نسبتاً کم ملا تھا۔ اس نے صرف چودہ سو سال آرام میں گزارے تھے ابھی اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار باقی تھا اور

تھکن بھی ٹھیک سے دور نہیں ہوئی تھی ۔ پھر بھی وہ چونک کر اٹھ بیٹھا تھا کہ وہ اس سنہرے وقت کو نہ صرف یہ کہ گنوانا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس کا چشم دید گواہ بھی بننا چاہتا تھا۔

اس بار اس نے جنس مخالف کو اپنے خیالات کی ترویج کا آلہ بنایا تھا۔اور اس سے اسے زبردست کامیابی ہاتھ لگی ۔اپنے اس جنم سے اتنا خوش تھا کہ سابقہ ناکامیوں کی کوفت بھی دور ہوگئی ۔عورت نے اپنے حسن و جمال اور ناز و انداز کا ایسا عریان اور برملا مظاہر کیا کہ جنوں کی ساری ذہانت اور قوت فیصلہ اس کے ایک اشارے کے سامنے ہیچ ٹھہری۔اس نے وہ مرتبہ حاصل کیا کہ ہر جن کا مقصود آخر بن گئی۔سچ پوچھئے تو یہ عہد صنف لاغر کی صنف قوی پر برتری کا عہد تھا۔تلویث خوش تھا کہ اس نے اردبان کی پچاس فیصد آبادی کو اپنا شاگرد اور باقی میں اکثریت کو اپنا ہم نوا بنا لینے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔

اورارض اردبان پر اس بار جو نمایاں تبدیلی وہ دیکھ رہا تھا وہ یہ تھی کہ اب لوگ چھوٹی چھوٹی مملکتوں سے اکتا چکے تھے اور اتحاد قائم کر کے نسبتا بڑی مملکتوں کی تعمیر کر رہے تھے ۔اس عمل کو آگے بڑھانے میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے سب لوگ تیار تھے جانوں کا زیاں ہو رہا تھا۔تلویثکو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ انجام کے اعتبار سے دونوں طریق کار یکساں تھے ،البتہ اب نئی بات یہ دیکھنے میں آرہی تھی کہ شاہ مملکت کا تقرر عام لوگوں کی مرضی اور مشورہ سے ہونے لگا تھا۔ساری دنیا میں ایسے عوامی نظام کی حمایت میں نعرے لگایے جارہے تھے اور اسکی اہمیت اور افادیت کے بلند بانگ دعوے ہو رہے تھے ۔لیکن یہ نعرے کتنے کھوکھلے تھے اور اس کے پیچھے کیسے کیسے سازشی ذہن کارفرما تھے ۔اس کے بارے میں بھلا تلویث سے بہتر بھلا کون جان سکتا تھا۔

اس بار تلویث یہ دیکھ کر بہت خوش تھا کہ وہ لوگ جو خدا پرستی کے مدعی تھے اور اپنا بیشتر وقت یاد خداوندی میں صرف کرتے تھے وہ بھی پس پردہ اس کے حامی ،معاون اور مداح ہو گئے تھے۔اس کا مثبت پہلو یہ تھا کہ بڑی تعداد میں لوگوں نے خدا کی معصومیت اور اہرمن کی ذہانت کا اعتراف کر لیا تھا۔حیرت اس بات پر تھی کہ وہ دل سے اس بات پر یقین بھی رکھتے تھے کہ خدا ان کے اس مصنوعی عمل اور کھوکھلی عبادت سے خوش ہو رہا ہے۔ یہ ہوا خاطر خواہ رفتار سے چل رہی تھی۔بس تلویث نے اس کی رفتار اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔

رفتہ رفتہ اسے اس بات کا احساس ہونے لگا کہ کاروبار دنیوی اب اس کی مرضی کے

عین مطابق چل رہا ہے۔اس کے شاگرد دل و جان سے اس کام میں لگے ہیں تو اسے آرام کرنا چاہیے۔البتہ وہ اپنے اندر ایک عجیب و غریب تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔لوگوں کو گمراہ کر کے جیسے خود اس کا دل خدا پرستی کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔حالانکہ وہ عبادت کا ڈھونگ لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے کرتا تھا لیکن اس سے اسے جس قلبی سکون کا احساس ہو رہا تھا اس سے عبادت جیسے اس کی مجبوری بنتی جا رہی تھی۔اسے لگا کہ یہ بیماری حد سے آگے بڑھے اس سے پہلے ہی اسے سو جانا چاہیے۔چنانچہ اپنی عمر کے تقریباً چھ ہزار سال گزار کر وہ ایک بار پھر موت کی خاموش وادی میں چلا گیا۔مرتے وقت اس کے چہرے پر اطمینان تھا جیسے وہ اپنی منزل سے نسبتاً زیادہ قریب ہو گیا ہو۔

(۴)

اس کا فیصلہ ٹھیک ہی تھا۔صرف نو سال کے آرام کے بعد اب کی بار جب اس نے آنکھ کھولی تو وہ خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔اس نے پھر دنیائے رنگ و نور میں آنے کا فیصلہ کیا اور دولاس کی رفیق لاسیب کی کوکھ کے توسط سے اس نے اپنی اس خواہش کو پورا کر لیا ۔سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق چل رہا تھا۔اس نے گمراہی کو ایک نیا موڑ دینے کے لیے لوگوں کو باور کرایا کہ وہ خدائی صفات کے حامل ہیں تو خود کو خدا کیوں نہیں سمجھتے اور اس کی یہ بات بہت آسانی سے لوگوں کی سمجھ میں آ گئی اور رفتہ رفتہ ارض اردبان میں خداوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

دوسری طرف اس کا اپنا شر مائل بہ زوال تھا۔اس کا زیادہ وقت خدا کی یاد، اپنی مغفرت کی دعا اور اپنے اعمال قبیحہ کی معافی مانگنے میں گزرتا تھا۔اب اس کے دل میں یہ خیال گھر کرنے لگا تھا کہ رفتہ رفتہ وہ فنا کی منزل کی جانب بڑھ رہا ہے اور خدا کو خوش رکھنا ہی اس سلسلہ کو روکنے اور حیات نو سے بچنے کا واحد راستہ ہے۔یہ اس کی پانچویں زندگی تھی اور وہ بھولا نہیں تھا کہ دو مختصر زندگیوں کے بعد اسے خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔س

اس بار والدین نے اس کا نام رون رکھا تھا۔س

یہ عہد وسطی کا آخری دور تھا۔جب اس نے رون کی حیثیت سے آنکھ کھولی تھی تو وقت کا

پہیہ پینتیس ہزار سال کا سفر طے کر چکا تھا۔اس عہد کی ایجادات میں سب سے اہم یہ تھا کہ جنوں نے مکمل طور پر زندہ مصنوعی وجود بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔انہیں تکاشی کا نام دیا گیا تھا۔اب وہ ترقی اور ارتقا کی اس منزل میں تھے جہاں مختلف سیاروں کی تسخیر ان کا مشغلہ بن چکا تھا۔اب وہ ایک سیارہ سے دوسرے سیارہ کا سفر آسانی سے طے کر سکتا تھا۔عرش بھی اب اسکی دسترس سے دور نہ تھا۔

ارض اردبان پر چھوٹے مما لک کا دور اب یکسر ختم ہو چکا تھا۔اب یہاں صرف دو عظیم مملکتیں تھیں لیکن دونوں کے درمیان پیکار جاری تھا۔یہ خدشہ ہمیشہ بنا رہتا تھا کہ دونوں میں سے کوئی بھی اپنی قوت کے خمار میں کسی بھی لمحے اس خوبصورت سیارے کو تباہ کر سکتا ہے۔دونوں کے پاس ایسے ایسے مہلک ہتھیار موجود تھے جن کا کوئی مصرف نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اپنے مخالف پر اپنی قوت کا سکہ جما سکے۔عوام کی خواہش تھی کہ کسی طرح دونوں میں صلح ہو جائے تا کہ ڈر ختم ہو اور دونوں مملکتوں کے اندر یہ ارادہ پرورش پا رہا تھا کہ کسی موقع سے دوسرے کو ختم کر کے اپنی مطلق العنان حکومت قائم کرے لیکن ابھی دور دور تک اس کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔

(۵)

بنوطارہ میں مادی ترقی اور اخلاقی زوال کا عمل ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ان کی تہذیبی و روحانی قدریں شدید ترین بحران سے دوچار تھیں۔ان کے لیے ذہانے کا مصرف مزید آشائشوں کے حصول تک محدود ہو گیا تھا۔جس میں کامیابی کا لازمی نتیجہ ان کی جسمانی قوت میں بتدریج کمی کی شکل میں ظاہر ہو رہا تھا۔رفتہ رفتہ فطرت پر صنعت کو سبقت حاصل ہوتی جارہی تھی۔اس عہد میں جنوں کی ابادی میں اضافہ کی رفتار بھی کافی تیز ہو گئی تھی۔اس کی بڑی وجہ شرح اموات میں کمی تھی۔اپنی قوت میں مسلسل اضافے کی غرض سے شبینا نیوں کی تعداد بڑھانا ان کی مجبوری بنتی جارہی تھی۔تخلیق نو کا طریق کار اتنا سہل تھا کہ نئے وجود کا لانا ہر کس و ناکس کے لیے ہنسی کھیل تھا۔اب اس عمل کے لیے جنس مخالف کا تعاون بھی اتنا ضروری نہیں رہا تھا جتنا پہلے کبھی ہوتا تھا۔ارباب اقتدار ضرور آبادی کے بڑھنے

سے فکر مند تھے ۔لیکن کارخانہ یزدان نے اس تعلق سے کسی کو پریشانی میں نہیں ڈالا تھا۔آبادی جس تناسب سے بڑھتی جارہی تھی اشیائے ضروریہ میں اسی تناسب سے اضافہ ہوتا جارہا تھا۔زمین اردبان دل کھول کر اپنے خزانے لٹارہی تھی۔ یہ فکر کسی کو نہ تھی کہ زمین کی قوت نمو کی آخر کوئی نہ کوئی حد ہوگی اور ایک نہ ایک دن قلت رزق کا مسئلہ ان کے سامنے اپنی بھیانک شکل میں کھڑا ہوگا۔

مذکورہ چالیس ہزار برسوں میں خیر وشر کا معیار بھی بڑی تیزی سے بدلا تھا۔اب شر عام تھااور خیر کمیاب۔ جب جب خیر کا کوئی نمونہ وجود میں آتا اسے لوگ حیرت دلچسپی، اوراحترام سے دیکھتے اور ہر ممکن ذریعہ ابلاغ سے اس کی تشہیر کی جاتی۔ حالت یہ تھی کہ اہل خیر نہ صرف اہل شر کے محکوم تھے بلکہ انہیں اپنی اور اپنے خیر کی بقا کے لیے اذیتوں اور ذلتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔نیکی باعث شرم اور بدی علامت فخر بن چکی تھی۔ یاد یزدان میں مصروف عبادت گزار لوگوں کو اپنی شناخت پوشیدہ رکھنے میں ہی اپنی عافیت نظر آتی تھی ۔اس کے برعکس گناہ گاروں کا ہر طرف شہرہ بھی تھا اور قدر ومنزلت بھی۔نیک لوگ قیامت کی دعا کرتے تھے اور گناہ گار زندہ رہنے کے لیے موت سے رشتہ ہی توڑ بیٹھے تھے۔مظاہر فطرت کا توازن بگڑ جانے کی وجہ سے وقتاً فوقتاً آفات سماوی کا نزول ہوتا رہتا تھا۔اس سے کچھ تباہی ضرور ہوتی لیکن نہ کسی کے کانوں میں جوں رینگتی اور نہ کوئی اسے عبرت کے نقطہ نظر سے دیکھتا۔ ہر شخص دوسرے سے سبقت کا متمنی تھا اور جب تک کسی طرح کا جبر نہ ہو کوئی کسی کی برتری تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔

جنگلوں میں درخت نہ تھے۔دریا خشک ہورہے تھے کہ جہاں جس کو ضرورت ہوتی دوسروں کا خیال کیے بغیر اسے اگے بڑھنے سے روک دیتا۔رفتہ رفتہ جانوروں کا خاتمہ ہوتا جارہا تھا۔ پہاڑ اور ویرانوں کی شکلیں بدل کر انہیں نئے سرے سے آباد کرنے کے منصوبے زیر غور تھے۔لیکن ایک طرف جہاں شینانیوں اور دوسری طرف تکاشیوں کو تمام خوشیاں اور آشائشین میسر تھیں ،نوشیوں کا حال اسی تناسب سے زبون تھا۔ ان کے لیے زندگی محال ہوگئی تھی ۔فطری نظام کا عدم توازن جو عذاب لاتا وہی اس کا سب سے زیادہ شکار ہوتے۔اپنے تحفظ کے لیے ان کے پاس دعاوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔اوردعایں بھی اپنا اثر کھوتی جارہی تھیں۔نوشیوں میں مختلف قسم کی بیماریاں عام ہوتی جارہی تھیں۔ان کو

علاج کی بہتر سہولتیں میسر نہ تھیں، کہ علاج گاہوں کو اعضائے جسمانی کی مرمت کے کار خانوں میں بدل دیا گیا تھا۔ان حالات میں نوشیوں کو اسی میں عافیت نظر آتی تھی ۔کہ وہ شینانی بن کر نیم مصنوعی زندگی کا حصہ بن جائیں ۔اسی لیے نوشیوں کی تعداد کم ہوتی جارہی تھی۔

غرض یہ عہد خدا پرستوں پر بھاری تھا۔نہ کوئی ان کا ہمدرد تھا، نہ غم گسار اور نہ راہ نما ۔لیکن یہ پھر بھی اپنے راستے سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔جیسے جیسے ان کی دشواریوں میں اضافہ ہوتا جارہا تھا وہ اپنی عبادتوں میں زیادہ انہماک کے ساتھ مصروف ہوتے جارہے تھے۔

جہاں ایک طرف عام جن شر کا طرفدار تھا وہیں دوسری طرف شر کی یہ فراوانی رون کے لیے نا قابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔وہ اپنے مزاج کی تبدیلی سے پریشان تھا۔اب اس کا زیادہ وقت ان خدا پرستوں کے درمیان گزرنے لگا تھا جو جنگلوں میں خفیہ طور پر اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔وہ جب جب شر کی حمایت میں کچھ کرتا اس کا ذہن انتشار کا شکار ہونے لگتا۔اسے لگا کہ اب اسے اپنی عمر کا باقی حصہ یاد خداوندی میں صرف کرنا چاہیے تا کہ خدا اس کی خطاوں کو معاف کردے اور اس کا سابقہ وقار بحال ہو سکے۔

(۶)

کچھ ایسے ہی دگر گوں حالات تھے جب خدا نے اپنے سفیر آخرت سیلوطلیث کو بنو **طارہ نوث** کی رہنمائی کے لیے بھیجا۔اول اول تو لوگوں نے اس کی زبردست مخالفت کی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ لوگوں کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہونے لگا۔اس نے لوگوں کو ایک بار پھر اس یقین کی جانب واپس لانے میں کامیابی حاصل کی کہ خدا ایک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔بنو **طارہ نوث** سیلوطلیت کی ساری زندگی دیکھی تھی اس لیے جب اس نے خود کو خدا کے سفیر آخر کی حیثیت سے پیش کیا تو لوگوں نے اس کی بات مان لی۔

سیلوطلیت نے آئین خداوندی کی ازسر نو تشکیل کی اور اسے لوگوں کے حوالے کیا کہ اب یہی ان کی رہنمائی کریگا۔دراصل یہ وہی آئین تھا جو **طارہ نوث** کے ساتھ سرزمین

اردبان پر اترا تھا لیکن لوگ اسے یکسر بھول چکے تھے۔ سیلوطلیت نے اس ائین کی تفسیر و تعبیر کے ساتھ اسے عہد حاضر سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور یہ سب کچھ منشائے خداوندی کے عین مطابق تھا۔

اس آئیں کی رو سے ارض اردبان کی سربراہی کا حق صرف نوشیوں کو تھا جو حضرت طارہ نوش کے جائز وارث تھے۔ اس کے تحت آئندہ کوئی بھی فرد جس نے اپنے جسم میں مصنوعی اعضاء کو شامل کرلیا ہو اس عہد جلیلہ کے حق سے محروم تھا۔

چونکہ سیلوطلیت سے لوگوں کو رہنمائی ملی تھی اس لیے اس کے ترتیب دیے گئے آئین کو انہوں نے اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھا تھا۔

چھ سو بیس سال کی مختصر عمر گزارنے کے بعد بالآخر ایک دن سفیر آخر اپنے معبود حقیقی سے جاملا اور وہی ہوا جو اس سے پہلے بھی ہوتا رہا۔ بہت جلد لوگ راہ راست سے منحرف ہو گئے اور ان کی زندگی منکرین کی زندگیوں سے مختلف نہیں رہی۔ البتہ آئین خداوندی کی حفاظت وہ اب بھی اپنی جان سے زیادہ کررہے تھے۔

(۷)

سرزمین اردبان پر جو کچھ ہو، ساکنان عرش اس سے بے خبر نہ تھے۔ طارہ نوش ان کا مسجود تھا تو اہرمن ان کا ہمدرد، رفیق اور سربراہ رہ چکا تھا۔ ان کی نظروں کے سامنے اہرمن روپوش ہو گیا تھا لیکن انہیں یقین تھا کہ وہ شرمندہ ہو کر ایک نہ ایک دن راہ راست پر ضرور آجائے گا۔ اکثر انہیں شبہ ہوتا کہ اردبان پر رامن، غراموت، شرلات۔ تلویث اور رون کہیں اہرمن ہی تو نہیں لیکن ان کی گمراہی اور رغبت گناہ سے وہ یقین نہ کر پاتے کہ اہرمن ان کی نظروں میں یہ سب نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی انہیں شک ضرور ہوتا۔ انھوں نے اہرمن کے ساتھ ایک طویل مدت گزاری تھی۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، اس کا طرز بود و ماند، اس کے عادات واطوار، اس کے مزاج کی تندی اور نرمی، اس کی خفگی وخوشی، اس کی دلچسپیوں اور بیزاریوں سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ اردبان پر جو کچھ ہو رہا تھا وہ کبھی کبھی اس کی کارکردگی کا عکاس معلوم ہوتا لیکن اس دور آخر میں رون کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہو رہی

تھیں اس سے وہ اندر ہی اندر بہت خوش تھے کہ اگر یہ اہرمن ہے تو اس نے خدا دشمنی سے خدا شناسی اور نافرمانی سے تابع داری کا سفر اس نے طے کرلیا ہے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر کوئی اور رخنہ نہ آیا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو ایک نہ ایک دن خدا اسے ضرور معاف کر دے گا۔ آخر خدا نے **طارہ نوث** کی خطائیں معاف کی تھیں۔ انھیں امید تھی کہ ایک بار پھر وہ نہایت عزت واحترام کے ساتھ ان کے قریب ہوگا۔

فرشتگان یزدان عمومی طور پر ایسا سمجھتے تھے لیکن اہرمن کے رفیق خاص **جبرئیل** کا بھی خیال ان سے مختلف نہیں تھا۔ اس نے اکثر اپنے احباب سے اس موضوع خاص پر تبادلہ خیال بھی کرلیا تھا۔ اور ان کا نتیجہ فکر بھی وہی تھا جو رائے عامہ کے تحت وجود میں آیا تھا۔ اس لیے فرشتے مجموعی طور پر اردبان پر ہونے والی حالیہ پیش رفت سے خوش اور مطمئن تھے۔

اور خدا ۔ خدا تو قادر مطلق تھا۔ وہ ماضی سے بھی واقف تھا اور مستقبل سے بھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ رون کے اعمال ظاہری کے پس پشت نیت کا کون سا رخ پیش عمل ہے۔ اسے معلوم تھا کہ فرشتوں کی درخواست پر ایک نہ ایک دن اسے بخش دینے والا ہے۔ اور یہ بات بھی اس کے دائرہ عمل سے باہر نہ تھی کہ اہرمن کا شر ختم ہونے والا نہیں ہے اور وہ ہر حال میں موجود رہے گا اور خدا کی کائنات میں وہ ہمیشہ گناہ اور شر کی علامت کے طور پر ہی پہچانا جانے والا ہے۔

مراجعت

(۱)

رون کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے جیسے پہلے کے مقابلے وقت کی رفتار کافی تیز ہو گئی ہے۔ در اصل یہ اس کی شدت احساس کا کرشمہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی اب صرف دو پیدائشوں کا بوجھ اور اٹھا سکتی ہے۔ اس کے بعد اسے بہر حال فنا ہو جانا ہے۔ مقدر کا جو رخ اس نے پہلے منتخب کیا تھا اس کی رو سے اپنے گناہوں، اپنی نافرمانیوں اور اپنی بے راہ رویوں کے ساتھ فنا سے ہم کنار ہو کر عذاب الٰہی کے دائمی سلسلے سے منسوب ہونے والا تھا۔ ادھر اس کے خیالات میں تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ عذاب الٰہی سے خوف زدہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی بچی کھچی حیات کو تسبیح و عبادات خداوندی کے لیے مخصوص کر کے اسے خوش کرے۔ اس سے معافی مانگے، اور خود کو اس کے نیک اور اطاعت گزار بندوں میں شامل کر لے۔ لیکن اس کا یہ خیال اکثر اس کے اندر موجود شر سے ہار جاتا تھا۔ اس سے نادانستہ ایسے اعمال سرزد ہو جاتے تھے جو خدا کی خوشنودی کے منافی تھے۔ اب اس کے دل میں **طارہ نوث** اور آل **طارہ نوث** سے نفرت کا جذبہ بھی نہیں تھا۔ اسے لگتا تھا کہ ان کی خدمت میں ہی اس کی نجات پوشیدہ ہے۔ لیکن بنو **طارہ نوث** خود اس کی بدولت جس بے راہ روی میں مبتلا ہو چکی تھی وہ اب اس کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی راہ راست پر آنے کو آمادہ نہ ہوتے تھے۔ وہ اپنے گناہوں پر شرمندہ تھا اور اسے یقین تھا کہ اگر وہ بندگان خدا کو ایک بار پھر راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو گیا تو اس کا یہ عمل اسے سلسلہ حیات و ممات سے باہر نکال سکتا ہے۔

رون کی حیثیت سے اس کی پانچویں زندگی کو چھ ہزار سال پورے ہونے والے تھے۔ مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ مزاج کی نئی تبدیلی نے اس کی حوصلہ مندی اور خود اعتمادی کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ وہ لاکھ کوششوں کے باوجود اپنا ایک ہم نوا بنانے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ لوگ اس کا احترام ضرور کرتے تھے لیکن وہ

جانتا تھا کہ اس احترام کی بنیاد محبت نہیں مصلحت ہے۔ وہ رون سے ڈرتے تھے اور اس کی کھلی مخالفت کر کے کسی مصیبت میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اسی لیے احترام کے اظہار کے باوجود وہ اس کی باتیں سننے کو آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اور راہ یزدان سے فرار کے لیے مصروفیت ان کا سب سے بڑا بہانہ تھا۔ اسے لگا کہ جب تک وہ شر کو اپنے اندر سے نوچ کر نہیں پھینک دے گا وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ یہ عمل اس کے حد اختیار سے باہر ہے۔ راستہ وہ جانتا تھا لیکن اس راستہ پر چلنا خود اس کے لیے دشوار تھا۔ اور جب تک وہ خود اس راستہ پر نہ چلے دوسروں کو اس طرف کیسے متوجہ کو سکتا تھا۔ ہاں وہ یہ جانتا تھا کہ ہر نئی پیدائش اس کے شر کو کم کرنے میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔ اور اب یہی واحد راستہ تھا کہ وہ ایک بار پھر موت کو قبول کرے اور نئی زندگی میں نئے حوصلہ کے ساتھ خیر کی ترویج اور شر کو روکنے میں حصہ لے۔ وہ جانتا تھا کہ ایک بار اس کے قدم بڑھے تو وہ اسی رفتار سے اس نئے راستے پر بھی آگے بڑھے گا جس طرح وہ آفرینش سے وہ شر کے راستے پر چلا آ رہا تھا۔

چنانچہ اس نے ایک بار پھر مر جانے کا ارادہ کیا۔ ایک دن ایک ویران غار میں اس نے رون کے فانی جسم سے نجات حاصل کر لی۔ اور وہیں آرام سے سو گیا۔ اب ورود **طارہ نوث** کو تقریباً اکتالیس ہزار سال ہو چکے تھے۔ یعنی آرام کے وقت کا زمانہ تقریباً نو ہزار سال قبل کا تھا۔

(۲)

یہ واقعہ تقریباً پانچ ہزار قبل قیامت کا ہے جب **طارہ نوث** کو سرزمین اردبان پر وارد ہوئے تقریباً پینتالیس ہزار برس ہو چکے تھے اہرمن کو اپنا چھٹا جنم لیے ساڑھے تین ہزار برس ہو چکے تھے۔ اس بار اس نے بشتمیں کے گھر جنم لیا جو سربراہ وقت کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اس کی بیوی ترانم بے حد حسین تھی اور اس کے بے مثال حسن کی شہرت چہار دانگ اردبان میں پھیلی ہوئی تھی۔ والدین نے اس کا نام شرموت رکھا تھا کہ وہ پیدا ہوتے ہی نا قابل یقین افعال و اعمال کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اس کا حسن اس کی وراثت تھا تو اس کی ذہانت کا سلسلہ اس کے باپ سے منسوب کیا جاتا تھا۔ جوانی کی سرحد پر قدم رکھنے تک وہ یہ

بات اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اب وہ اقتدار اعلیٰ کے حصول کی اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے بالکل قریب ہے،

جس مملکت میں شرموت کی رہائش تھی، اس پر کلاتن نامی مطلق العنان حاکم کا اقتدار تھا، جو اس کے والدین بشمین کا قریبی عزیز تھا۔ اس نے اپنی قوت میں اضافہ کے لیے ہر ممکن وسیلہ اختیار کیا تھا اور اب یہ حالت تھی کہ اس سرزمین پر کوئی اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے باوجود سیارے اردبان پر یہ واحد مملکت نہ تھی۔ سیارہ کے مشرقی حصہ میں اردبان کے تقریباً تیس فیصد رقبہ پر لیتسان قابض تھا۔ اس کی قوت کلاتن کے مقابلہ میں کچھ کم سہی لیکن مہلک اسلحاجات کا ایسا ذخیرہ اس نے بھی جمع کر رکھا تھا کہ اگر کسی نے اس کے ساتھ بے جا چھیڑ چھاڑ کی تو وہ ایک جنبش انگشت سے دشمن کے پرخچے اڑا سکتا تھا۔ اس کے اختیار میں سیارے کی تباہی بھی تھی۔ لیکن یہ آلات فریق مخالف کو خوف زدہ کرنے اور اپنے دفاع کی غرض سے محفوظ رکھے گئے تھے۔ ورنہ دشمنی کی انتہائی شکل میں بھی دونوں میں سے کوئی فریق سیارے کی تباہی نہیں چاہتا تھی۔ لیکن اہل اردبان ان آلات حرب سے خوف زدہ رہتے تھے کہ نہ جانے کب وہ اور ان کا خوبصورت سیارہ نیست و نابود کر دیا جاے۔

یوں تو دونوں مملکتوں کے درمیان راست جنگ کو کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن مفادات ذاتی میں دل چسپی رکھنے والی مخلوق کو ایسی صورت حال کی تعمیر میں بھلا کتنی دیر لگ سکتی تھی۔ ادھر شرموت نے اپنی ساری توجہ یاد خداوندی اور حصول اقتدار کے لیے خدا کی مہربانیوں کی دعا میں صرف کر رکھی تھی۔ وہ جس رخ پر آگے بڑھ رہا تھا کہ وہ کلاتن کے باطن میں داخل ہونے کا کوئی طریقہ دریافت کر لے گا۔ اور وہ اس کے حق میں دست بردار ہونے پر آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن کاتب تقدیر نے جو فیصلہ کر رکھا تھا شرموت اس سے بہر حال ناواقف تھا۔

جو کچھ ہوا وہ بالکل اچانک ہوا تھا۔ مشرقی مملکت نے خفیہ طور پر مغرب میں داخل ہو کر کچھ ایسی باتیں معلوم کر لی تھیں جن کے بارے میں مغرب چاہتا تھا کہ مشرق کو پتہ نہ چلے۔ ان میں وہ راز بھی شامل تھے جو مغرب کی مہلک کمزوریوں پر دلالت کرتے ہیں اور جنھیں حاکمِ اعلیٰ کے مقرر کردہ ایک گروہ نے اصلاحات کی غرض سے گزشتہ دو ہزار سال کی محنت کے بعد جمع کیا تھا۔ مشرق کا یہ عمل مغرب کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا اور

اب مغرب کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اپنی قوت کا انتہائی مظاہرہ کر کے دشمن کو باور کرا لے کہ وہ اسے کمزور سمجھنے کی حماقت نہ کرے۔

چنانچہ کلاتن نے فوجی تیاریاں مکمل کر کے ایک دن اچانک مملکت لیتسان پر حملہ کر دیا۔ جنگ کچھ اس طرح شروع ہوئی کہ جیسے اب کبھی ختم ہونے کا نام نہ لے گی۔ اس جنگ عظیم میں تباہی ہوئی وہ نہ تو چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ اس انتہائی ترقی یافتہ سرزمین اردبان نے۔ مختصر یہ کہ اس جنگ عظیم میں وہ تمام مہلک ہتھیار استعمال ہوئے جنھیں محض ایک دوسرے کے خوف کرنے کی نیت سے تیار کیا گیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں اردبان کی تقریباً تین چوتھائی آبادی ختم ہوگئی۔ جب جنگ کا خاتمہ ہوا تو فاتح کلاتن نے ان لاکھوں لاشوں پر رقص فتح کیا۔ لیتسان اس جنگ مارا گیا اور اس کا ملک اب کلاتن کے قبضے آگیا۔ لیتسان کے افراد خاندان نے کسی پہاڑی غار چھپ کر اپنی جان بچاتی تھی۔ ان بچنے والے لوگوں میں اس کا شیر خوار بیٹا **شاطون** بھی تھا۔ اس جنگ سے جہاں بے حد اور قابل تلافی نقصان ہوا تھا۔ وہیں دو بڑے مسئلے حل ہو گئے تھے۔ پہلا بڑھتی آبادی اور کم ہوتے وسائل حیات کا مسئلہ اور دوسرے اردبان پر دہ مملکتوں سے پیدا ہونے والے تناو کا مسئلہ۔ اب سارہ سیارہ ایک ہی پرچم تلے آ گیا تھا۔ اس خوشی کے موقعے پر کلاتن نے اپنے ولی عہد **شاشین** کی تخت نشینی کا اعلان کیا اور ارادہ ظاہر کیا کہ اب وہ آرام کرنے کا خواہش مند ہے۔

سیارہ اردبان کے طول وارض میں اب صرف **شاشین** اعظم کا حکم چلتا تھا۔ اب اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے شرموت کو جلد از جلد کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ تا کہ وہ اپنا منصوبہ عمل میں لا سکے۔

ان ہنگاموں میں شرموت کا منصوبہ ایک بار پھر پس پشت چلا گیا اقتدار اس کے ہاتھ میں آتے آتے ایک بار پھر پھسل گیا تھا۔ اس کی یہ زندگی بھی کارآمد ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ اسے جلد ہی موت کو قبول کر لینا چاہیے تا کہ جلد ہی وہ **شاشین** اور **تبلیث** کے گھر پیدا ہو کر ان کا ولی عہد بن جا یا ور روایت کے مطابق اقتدار اعلی اپنے وقت پر اس کے ہاتھ آ جائے۔ اسے یقین تھا کہ ایک بار اگر اقتدار پر اس کا قبضہ ہو جائے تو وہ ساری دنیا کو اور ساکنان عرش کو یہ بتا دے گا کہ جب طاقت ذہانت کے تابع ہوتی ہے اور

دونوں مل کر کام کرتے ہیں تو کوئی دوسری قوت اس کے سامنے ٹھہرنے کی جرات نہیں کرسکتی۔

شرموت نے جب موت قبول کی تو اس کی چھٹی زندگی کی عمر چار ہزار تین سو سال ہو چکی تھی اور **طارہ نوث** مقدس کے اردبان میں آنے کو کل پیتالیس ہزار سات سو سال ہو چکے تھے۔ اس نے جو اندازلگایا تھا اس کے مطابق یہ سیارہ اب صرف چار ہزار تین سو سال اور موجود رہنے والا تھا اور حکم خداوندی کے مطابق اس کا ساتواں جنم اس کی عمر کا آخری دور ہوگا اور اس دور میں موت اس کے لیے اختیاری نہیں ہوگی۔ سیارے کی عمر کا اندازہ ان نے اس تحریر سے لگایا تھا جو اس نے عرش اکبر پر لوح مقدس میں اس وقت دیکھی تھی جب وہ بادشاہ ملائک ہوکرتا تھا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ اگلی زندگی اس کے لیے کچھ بھی کرنے کا آخری موقع ہوگی۔

(۴)

بالآخر صرف دوسو سال کے وقفہ آرام کے بعد اہرمن نے **شاشین** کے گھر تلبیث کی کوکھ میں قیام کیا۔ اور **طارہ نوث** کے ورود اردبان کے ٹھیک پیتالیس ہزار نو سال بعد **عزازیل** کی حیثیت سے جنم لیا۔ **عزازیل** اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس لیے ولی عہد میں کسی طرح کا کوئی جھگڑا کھڑا ہونے کی امید نہ تھی۔ **عزازیل** کی پرورش شاہی عیش وآرا کے موحول میں ہورہی تھی۔ اور اسے پورا یقین تھا کہ اس بار اقتدار کے حصول میں کوئی دشواری آنے والی نہیں ہے۔ لیکن **عزازیل** عالم الغیب نہیں تھا۔ اسے خدا کے فیصلہ کا علم نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ مقسوم ازل نے اس کے حصے میں دائمی محرومی لکھ دی ہے۔ اور حصول اقتدار کو وہ اپنے لیے جتنا آسان سمجھ رہا تھا وہ اس کی خام خیالی تھی۔

اردبان کے مشرقی سرے کے پہاڑی سلسلوں کے درمیان اس کے منصوبوں پر اوس ڈالنے کے لیے **شاطون** کی پرورش ہورہی تھی۔ لیتسان کا یہ بیٹا اب جوان ہو چکا تھا۔ اس کے خاندان کے وفادار لوگ رفتہ رفتہ اس کے اردگرد جمع ہورہے تھے۔ اور وہ ان خفیہ دستاویزات کو سمجھنے میں مصروف تھا۔ جن کے حصول کی قیمت اس کے والد کو اپنے اقتدار سے محرومی اور

اپنی جان کے زیاں کی شکل میں دینی پڑی تھی۔

ان دستاویزوں کے مطالعے سے اسے اب یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ مغرب میں واقع کوہ دریانوش کی سب سے بلند چوٹی پر مملکت کلاتن کی قوت کا سرچشمہ پوشیدہ ہے۔ اگر کسی طرح اس پہاڑ پر قبضہ کرکے اس کی صناعی کو سمجھ کر اس پر قابو پالیا جائے تو وہ آل کلاتن **شاشین** کو بے دست و پا کرسکتا ہے اس طرح وہ ایک بار پھر نہ صرف یہ کہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرکے اپنا سابقہ وقار بحال کرسکتا ہے بلکہ مکمل سرزمین اردبان اس کی تابع فرمان ہوسکتی ہے۔ وہ خفیہ طور پر مسلسل اس کی تیاریوں میں لگا تھا۔ اب اس کے لوگ کوہ دریانوش کے اردگرد موجود تھے اور وہاں متعین لوگون سے روابط استوار کرنے اور حالات کو سمجھنے میں مصروف تھے۔ دوسری طرف **شاشین** کو اس بات کا اندازہ بھی نہ تھا کہ اس کا ایک ایسا دشمن سرزمین اردبان پر پرورش پا رہا ہے جو کسی دن نہ صرف یہ کہ اس کے جان کے درپے ہوگا بلکہ اس کے افراد خاندان کو اس دنیا سے نیست و نابود کردے گا۔ وہ آنے والے واقعات سے بے خبر عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

اور اب **عزازیل** بھی جوان ہو چکا تھا۔ اس کی پرورش اور حصول علم کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے والدین اپنے بیٹے کی ذہانت، نیک دلی، خدا ترسی اور عبادت گزاری کو دیکھ دیکھ کر خوش اور مطمئن تھے اور اس کے روشن مستقبل کی دعائیں کرتے رہتے تھے۔ انہیں یقین تھا کی ان کا بیٹا تخت اردبان کی وراثت سنبھالنے کا ہر زاویہ سے اہل ہے۔

(۵)

اور اچانک ایک دن وہی ہوا جس کے بارے میں نہ **شاشین** نے کبھی سوچا تھا اور نہ **عزازیل** نے۔ ان کی تمام قوتیں اور ذہانتیں رکھی رہ گئیں۔ **شاطون** نے ان پر حملہ کردیا تھا۔ جب انھوں نے اپنے دفاعی نظام کو متحرک کرنے کی کوشش کی تو وہ مکمل طور پر ناکارہ ثابت ہوا۔ **شاشین** کے اپنے لوگ بھی مختلف مجبوریوں اور لالچ کے تحت **شاطون** سے مل گئے تھے اور اسے اور اس کے افراد خاندان کو گھیر کر قتل کر دینے میں مدد دی

تھی۔ **عزازیل** کو اس ہنگامے کی بھنک کچھ لمحے قبل مل گئی تھی اور وہاں سے فرار ہو کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ خاندان شاہی میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑا گیا تھا۔ **شاشین** اور تلبیث کی لاشیں **شاطون** کے سامنے پیش کی گئیں۔ **عزازیل** کی تلاش کا حکم جاری ہوا لیکن نہ تو اس کی لاش ملی اور نہ کوئی سراغ۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں چلا گیا۔

اس ہنگامے کے فرو ہو جانے تک **عزازیل** ایک موٹے درخت کے کھوکھلے تنے میں پناہ لیے ہوئے تھا۔ اس کی ایک اجنبی رفیق **تلبانیخ** جو کوہ دریانوش کے قریب کسی خفیہ مقام پر رہائش پزیر تھی اس کی ہر ممکن مدد کر رہی تھی۔ اس صورت حال میں جب کوئی اس کا پرسان حال نہ تھا۔ **عزازیل** کے لیے اس کا تعاون نعمت غیر مترقبہ تھا۔ فطری تھا کی وہ اس کا احسان مند ہوتا۔ س

فتح مغرب سے **شاطون** کو یوں تو لاتعداد حیرت انگیز چیزیں ملی تھیں لیکن اسے جس چیز نے سب سے زیادہ خوشی فراہم کی تھی وہ ایک نقش تھا جسے سفیر اول ابوالجن حضرت **طارہ نوث** نے بہشت سے اردبان پر آتے وقت ساتھ رکھ لیا تھا کہ اگر کبھی زمین اردبان اسے راس نہ آئی تو وہ اپنی رہائش کے لیے اس نقش کے مطابق ایک قصر تعمیر کرائے گا اور اسی میں حفاظت کے ساتھ رہے گا۔ اسے نہ تو اس کی ضرورت پڑی اور نہ ایسے حالات پیدا ہو سکے کہ وہ اپنے ارادے کو پورا کرتا۔ چنانچہ نقش مختلف سربراہوں کے ہاتھوں سے گزرتا ہوا **شاشین** تک آ گیا تھا اور اب **شاطون** کی ملکیت تھا۔ **شاطون** کا ارادہ تھا کہ وہ اس قصر کی تعمیر ضرور کرائے گا تا کہ وہ اپنے لیے تحفظ حاصل کر سکے اور اس کا یہ عمل ابوالجن کی روح کی تسکین کا باعث ہو۔

اس نے **شاشین** اور **تبلیث** اور ان کے دیگر افراد خاندان کی لاشوں کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کرایا کہ موت سے ہم کنار ہونے کے بعد وہ اب اس کے دشمن نہ تھے۔ اپنی تخت نشینی کی خوشی میں اس نے یہ اعلان بھی کیا کہ وہ **عزازیل** کی جان بخشی کر رہا ہے۔ اگر وہ اس سے ٹکرانے یا اس کے اقتدار پر کسی قسم کا خطرہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرے گا تو اس سے کسی کی کوئی باز پرس نہ کی جائے گی۔ حالانکہ **شاطون** کے مشیر اس معاملے میں اس کے ہم خیال نہ تھے لیکن پھر بھی یہ خبر **شاطون** کے نئے نظام ترسیل کے ذریعہ لادبان کے گوشے گوشے تک

پھیلادی گئی تھی۔ **عزازیل** نے بھی یہ خبر سنی تھی لیکن ابھی احتیاطاً وہ کچھ اور دن روپوش رہنا چاہتا تھا۔

عزازیل کے دل و دماغ سے **شاطون** کا خوف نکالنے اور اس کی خود اعتمادی بحال کرنے میں **تلبانیخ** نے بڑی مدد کی تھی۔ **عزازیل** کو یہ تو نہ معلوم تھا کہ وہ کون ہے لیکن اسے اس بات پر کوئی شبہ نہ تھا کہ وہ جو بھی ہے اس کی ہمدرد اور بہی خواہ ہے۔ اس نے **عزازیل** کو جسمانی طور پر صحت مند رہنے اور نفسیاتی طور پر چاق چوبند بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور اس کی ان کوششوں کا خاطر کواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا تھا۔ **عزازیل** کے دل میں اس کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والی محبت کی تخم ریزی ہوگئی تھی۔

اردبان کی چھیالیس ہزار سالہ تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ تخت اقتدار پر ایک ایسا شخص قابض ہوگیا تھا جو اس سیلوطلیت کے مطابق اس کا اہل نہ تھا۔ **شاطون** فطری جسم کا مالک نہ تھا۔ وہ جس قوت کے بل پر **شاطون** اعظم بنا تھا اس میں اس کا نوشی سے شینانی ہو جانا بھی شامل تھا۔ وہ ذہین تھا اور ایک عرصہ پہلے ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھ کہ فی زمانہ نوشی کے لیے تخت حکمرانی کا حصول ناممکن ہو چکا ہے۔ اس لیے اس نے شینانی بن کر اپنی قوت میں زبردست اضافہ کرلیا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ آج وہ بلا شرکت غیرے سیارہ اردبان کا مالک تھا۔

شاطون کے ساتھ تکاشیوں کی ایک پوری فوج تھی۔ جن سے ٹکرانے کا تجربہ ابھی نوشیوں کو نہ تھا۔ یہ مکمل طور پر صنعتی ایجاد تھے اور اپنے خالق کے احکامات کی پابندی کرنے سے انھیں کوئی منحرف نہ کرسکتا تھا۔ یوں تو تکاشیوں کی ایجاد عہد متوسط کے آخری دور میں ہو چکی تھی لیکن اتنے بڑے پیمانے پر ان کی تعمیر اور جنگ میں ان کا استعمال اور دفاعی نظامی کو مستحکم بنانے میں ان کا کردار **شاطون** کے ذہن کی اختراع تھی جسے وقت نے بالکل درست ثابت کردیا تھا۔

شاشین اور تبلیث

(۱)

شاشین کا تعلق خاندان امارت سے تھا۔ وہ **کلاتن** کا بیٹا تھا جسے ارض اردبان نے اس عہد میں جب کہ بادشاہ کا انتخاب عام افراد کے ذریعہ کرنے کی ایک رسم چل پڑی تھی، اپنا سربراہ منتخب کیا تھا۔ خود **کلاتن** ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی بیوی **سلومی** بھی اسی کی طرح متوسط طبقے سے متعلق ایک شخص کی بیٹی تھی۔ ان کا اقبال حصول اقتدار کے بعد بلند ہوا ان کے حسن انتظام اور شاطرانہ مزاج کے سبب انھیں عزت وقار حاصل رہا۔ یہ **کلاتن** کی ہی ذہانت کا نتیجہ تھا کہ ساری دنیا میں چھوٹی چھوٹی مملکتوں کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ان رہاستوں کے اتحاد سے اتنی بڑی قوت وجود میں آ گئی تھی۔ اور اب وہ سارے اردبان پر اپنی مطلق القانیت کا سکہ جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

لیتسان کے ذریعہ خفیہ دستاویزات کی چوری تو فقط ایک بہانہ بن گیا تھا ورنہ **کلاتن** خود بھی اس مشرقی مملکت کو اپنی قلم رو میں شامل کر لینے کا متمنی تھا۔ خفیہ طور پر وہ اس کی تیاری ایک طویل عرصے سے کر رہا تھا۔ ان تیاریوں کا ایک اہم حصہ رائے عامہ کی ہمواری بھی تھا۔ وہ بڑے منظم طریقے سے لوگوں کو باور کرا رہا تھا کہ دو مملکتوں کے وجود سے ارض اردبان پر ہمیشہ خطرے اور تناؤ کے بادل منڈلاتے رہیں گے۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ اس سیارۂ واحد پر اقتدار واحد قائم ہو۔ اپنے اس مقصد میں وہ بڑی حد تک کامیاب تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ مشرق اور مغرب کے لوگ اقتدار واحد کا اکتیار اپنیا پنے سربراہوں کو دینے کی بات سوچ رہے تھے۔ اگر مملکت مشرقیہ دستاویزات نہ حاصل کرتی تو بھی یہ جنگ

ایک نہ ایک دن ہونے والی تھی۔ سیارے پر رہنے والے بھی آنے والی اس جنگ کے منتظر بھی تھے اور متمنی بھی۔ انھیں شاید اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ یہ جنگ اپنے ساتھ کیسی تباہی لانے والی ہے۔

جب یہ جنگ شروع ہوئی تھی اس وقت **شاشین** کی عمر ایک ہزار سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اس نے اردبان کی ترقی کو معراج حاصل کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جنگ سے پہلے **کلاتن** کے دور اقتدار میں نہ صرف آلات حرب وضرب کے جدید ترین نمونے سامنے آ چکے تھے جن کے ذریعہ دشمن کے پوشیدہ رہنے کے باوجود تلاش کر کے ختم کرنے کی صلاحیت تھی بلکہ زندگی کے دیگر میدانوں میں بھی نت نئی چیزیں ایجاد ہو رہی تھیں۔ لوگ فاصلوں کی قید کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے ملاقات کر سکتے تھے، چھو سکتے تھے اور ایک دوسرے کے جسم کی گرمی کو محسوس کر سکتے تھے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کے لیے اب قالب بدل کر اپنے جسم کو حرکت دینے کی ضرورت نہ تھی۔ ایسے آلات وجود میں آ چکے تھے جو پلک جھپکتے آپ کو آپ کی منتخبہ یا مطلوبہ جگہ پہنچا سکتے تھے۔ علم کا بازار گرم تھا۔ اس کی ارزانی نے ہر کس وناکس، ہر اہل ونااہل، ہر طالب وغیر طالب، ہر طبقے اور قبیلے کے لیے دروازے کھول دئے تھے۔ علم کے حصول کے بعد کم ظرف لوگوں کا علم کے غلط استعمال کا سلسلہ بھی چل پڑا تھا۔ اب سرزمین اردبان پر موجود ہر علم ہر شخص کے لیے مہیا تھا۔ اول تو یہاں ہر فرد کی یادداشت اتنی پائیدار تھی کہ وہ کسی بات کو کبھی بھولتا ہی نہ تھا اور اگر کسی خرابی کی وجہ سے کسی کے لیے یہ ممکن نہ بھی ہوا تو ایسے وسائل مہیا تھے کہ مطلوبہ معلومات اسے ہر لمحہ مل سکتی تھی۔ اردبان کے بدلتے موسم پر اب انھیں پورا قابو تھا۔ جب انھیں گرمی کی ضرورت محسوس ہوتی تو موسم گرم ہو جاتا اور جب معتدل موسم کی تمنا ہوتی تو موسم فوراً اپنے موافق کر لیتا۔ ہاں یہ تبدیلی ہمیشہ اس کے اردگرد ایک طے شدہ دوری تک ہوتی۔ اس فاصلے کا تعین بھی اس کے اپنے اختیار میں تھا۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانے پر زیر زمین بستیاں بسانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ جس کا عملی فائدہ بھی دوران جنگ لوگوں نے دیکھ لیا تھا۔ اس کی وجہ سے بڑے سے بڑے پیمانے پر ہونے والی تباہی وبربادی اور جان کے زیاں سے وہ محفوظ رہے اور اس کا بہت کم اثر ان زیر زمین بستیوں پر پڑا۔

سرزمین اردبان میں طاقت پر ذہانت کو برتری حاصل ہو چکی تھی۔ اس مرتبے کو پانے

کے لیے ذہانت نے اکثر طاقت کو شکست دے کر اپنی برتری ثابت کی تھی۔ جنگ سے پہلے طاقت اور ذہانت کا ٹکراؤ اکثر ہوا کرتا تھا لیکن جنگ کے بعد دونوں میں اشتراک قائم ہو گیا تھا اور اب دونوں نے ایک دوسرے کے کاموں میں معاونت شروع کر دی تھی۔ دونوں کے اس اشتراک نے قوت کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔

جنگ کا خاتمہ ہوا تو جشن فتح اور **شاشین** کی تاج پوشی کا اہتمام ایک ساتھ ہوا تھا۔ **کلاتن** نے اقتدار اسے منتقل کر کے خود آرام پر جانا پسند کیا اور اب **شاشین** سیارۂ امن و امان اردبان کا پہلا حکمراں تھا جس کی قلم رو میں بے شک وشبہ سارا سیارہ شامل تھا۔

(۲)

تبلیث اور **شاشین** کی پہلی ملاقات نو ایجاد آلہ قربت کی معرفت ہوئی تھی۔ وہ کو داپنے لیے کسی موزوں رفیق کی تلاش میں تھی۔ جب اس نے **شاشین** کی قربت کو محسوس کیا تو لگا کہ یہی شخص اس کی منزل مراد ہے۔ اسی آلۂ قربت میں دونوں نے نہ صرف ایک دوسرے کو دیکھا تھا بلکہ محسوس بھی کیا تھا۔ اس قربت کے بعد ہی دونوں نے ہمیشہ کے لیے رفاقت یکجائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور اس کی تکمیل میں انھیں کسی رکاوٹ یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

تبلیث کے اپنے خواب تھے۔ وہ ایک متمول باپ کی بیٹی تھی۔ اسے کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس نے دیکھا تھا کہ اس کا باپ بے اندازہ دولت ہونے کے باوجود اقتدار اعلیٰ کا محکوم ہے۔ آزادیٔ کامل کے لیے اقتدار لازمی تھا اور اقتدار اعلیٰ ہر کس و ناکس کے لیے بہر حال نہیں تھا۔ اپنے آپ کو اس گھٹن سے نجات دلانے کا خواب وہ اکثر دیکھا کرتی تھی۔ **شاشین** نے اس کے اس خواب کو تعبیر سے ہم کنار کر دیا تھا۔

جیسے ہی **شاشین** کو اقتدار کی منتقلی کا کام پورا ہوا، اس نے خفیہ طور پر اسے اپنے ہاتھ میں لینے کا منصوبہ تیار کیا۔ وہ **شاشین** کو اپنی محبت کے فریب میں مبتلا کر کے سارا نظم اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہتی تھی۔ لیکن **تبلیث** کو **شاشین** کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ **شاشین** کو اپنے ذرائع سے **تبلیث** کی اس مکروہ اور خطرناک خواہش کا علم ہو چکا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ س کی قربت اور صحبت سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ اس لیے محبت کا یہ

کھیل کھیلنے میں وہ بھی دلچسپی لے رہا تھا۔ البتہ وہ محتاط تھا۔ اور جب تک وہ زندہ رہا، **تبلیث** کی مصلحت آمیز محبت سے اصل محبت کشید کر کے اپنے قومی کو تقویت اور روح کو تسکین کا سامان فراہم کرتا رہا۔ **تبلیث** کی ساری قوتیں اور ذہانتیں کبھی بھی **شاشین** کے ہم پلہ نہ ہو سکیں۔ لیکن **شاشین** نے اپنے طور پر اسے کبھی اس بات کا احساس نہ ہونے دیا کہ وہ اس کے ہم عمل، ہر سازش اور ہر سرگرمی سے واقف ہے۔ چنانچہ مکر و فریب کا یہ دو طرفہ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

تبلیث کو ہمیشہ اپنی کامیابی کا یقین رہا۔ وہ نہ کبھی مایوس ہوئی اور نہ ناامید۔ وہ زبردست قوت ارادی کی مالک تھی۔ لیکن اس یقین کے پس پشت خود **شاشین** کی معاونت اور حوصلہ افزائیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ یہ بات الگ ہے کہ وقت اور زندگی نے ان دونوں کو یہ مہلت ہی نہ دی کہ یہ متضاد اور باہم مخالف باتیں کبھی کھل کر سامنے آتیں۔ **شاطون** کے اچانک حملے نے نہ صرف دونوں کو اقتدار سے محروم کر دیا تھا بلکہ ان کو اور ان کے بیشتر افراد خاندان کو موت کی ابدی نیند سونے پر مجبور کر دیا تھا۔ **شاطون** کے اپنے منصوبے تھے۔ وہ زیادہ جنگ جو اور دلیر ثابت ہوا تھا۔ اسے عیش و عشرت سے نفرت تھی۔ چنانچہ ایک عیش پرست جوڑے سے مقابلہ اس کے لیے مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔

(۳)

تبلیث اور **شاشین** کی مصنوعی اور مصلحت پرور محبت کا فطری نتیجہ **عزازیل** کی ولادت کی شکل میں برآمد ہوا تھا۔ ایک بیٹا پا کر دونوں بہت خوش تھے۔ انھیں بہر حال اس کا اندازہ نہیں تھا کہ بیٹے نے خود اپنے والدین کا انتخاب کیا ہے۔ اس کی اپنی تمنائیں ہیں، اپنی خواہشیں ہیں جو ابرینہ اور ازلی ہیں۔

بیٹے کے لیے ان کا جو فرض تھا وہ انھوں نے پورا کیا تھا۔ ہر مناسب موقعے پر انھوں نے دل کھول کر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اس کی پیدائش پر ایک عدیم امثال جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں ساری دنیا کے ماہرین تفریح سے مدد لی گئی تھی۔ ان میں موسیقار بھی تھے اور زبان کے بازی گر بھی۔ اس جشن کا سلسلہ وقت کی طویل مدت پر محیط رہا اور اس

سے حاصل ہونے والی مسرتیں اور لذتیں آج بھی اہل اردبان کے دلوں میں تازہ تھیں۔

عزازیل نے اپنے بچپن سے ہی اپنی انتہائی ذہانت کا ثبوت دینا شروع کر دیا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو بتا دیا تھا کہ وہ اس کے باپ خلاف کی جانے والی اس کی ہر سازش کا علم رکھتا ہے اور باپ کو باور کرایا تھا کہ اس کی ماں سے اس کی محبت فطری نہیں ضرورت کی تکمیل ہے۔ اس کے والدین اپنی فطری محبت کے تحت اس کے لیے جو کچھ کر سکتے تھے وہ تو وہ کر ہی رہے تھے لیکن وہ اپنے ذہین بیٹے سے خوف زدہ بھی رہتے تھے۔ وہ لاکھ کوششوں کے باوجود یہ معلوم نہ کر سکے تھے کہ **عزازیل** ان کے ذاتی راز کیسے جان لیتا ہے۔ انھیں دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ فریق ثانی کے سامنے اس کا راز فاش نہ کر دے۔ البتہ خود **عزازیل** نے اپنی طرف سے دونوں کو علٰحدہ علٰحدہ اس بات کا یقین دلایا تھا کہ ان کا راز ہمیشہ اس کے سینے میں دفن رہے گا۔ ہاں اگر انھوں نے اس کے مضادان کی تکمیل میں رخنہ اندازی کی تو بات دوسری ہے۔ اور اپنے اس قول کی روشنی میں اس نے خود کو صادق ثابت کیا تھا۔

کچھ اسی طرح کے ماحول میں اس نے بچپن سے جوانی تک کی منزلیں طے کی تھیں۔ خوف کے اس ماحول کی تعمیر وک اس نے ایک ہتھیار کے طور پر اختیار کیا تھا۔ یہ سب اس لیے تھا کہ اگر اس کے والدین مستقبل میں کبھی اس کے پاس کے استدار کے راستے میں رکاوٹ بنے تو وہ ان کو باہم متصادم اور منتشر کر کے مجبور کر دے گا کہ وہ اس کی بات مانیں۔ لیکن عملاً یہ نوبت کبھی آئی ہی نہیں۔ **شاطون** کی مداخلت بے جانے اس کا راستہ روک دیا تھا۔ اب وہ اس کے اور اس کے اقتدار کے درمیان ایک نا قابل عبور آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

تلبانیخ

(۱)

سیارۂ اردبان کے خطہ مغرب میں یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ **شاطون** اعظم کا باپ شارہ مشرق **لیتسان** اور **تلبانیخ** کی ماں **خرسونہ** آپس میں بھائی بہن اور ایک ہی والدین **شوسم** اور **پیتراس** کی اولاد تھے۔ اس رشتے سے **شاطون** اور **تلبانیخ** بھی آپس میں بھائی بہن تھے۔ ایام امن میں دونوں کی پیدائش کوہ سرخ پر واقع قصر آفتاب میں ہوئی تھی۔ دونوں کی پرورش ایک ہی ماحول میں اور ایک ہی انداز میں ہوئی تھی، دونوں کے درمیان باہمی تعلقات بھی خوش گوار تھے لیکن زندگی میں دونوں کی ترجیحات اور توقعات میں بڑا فرق تھا۔ **شاطون** ذہانت کو قوت کا سرچشمہ مانتا تھا اور **تلبانیخ** روحانیت کو۔ اس لیے ایک دوسرے سے ہمدردی رکھنے کے باوجود دونوں کے راستے جدا تھے۔ **شاطون** دنیاوی محبت اور خارجیت کی جانب سفر کر رہا تھا اور **تلبانیخ** خود شناسی اور داخلیت کی سمت۔

لیکن دونوں میں ایک بات مشترک تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے مقاصد سے اتفاق نہ رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ اور جب ایک کو کسی دشواری کا سامنا ہوتا تو دوسرا بے تکلف بے غرض دوسرے کی مدد کے لیے آ جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب **شاشین** سے اپنے والد کے قتل کا انتقام لینے کی بات آئی اور **شاطون** کو **تلبانیخ** کی ضرورت پڑی تو وہ اس کی مدد کے لیے تیار ہو گئی۔ اس کے پاس ذہانت کی کمی نہ تھی لیکن اس کی قوت کا اصل سرچشمہ روحانیت تھی۔ جس سے وہ بڑی سے بڑی قوت کو زیر کر سکتی تھی۔ اس کا جسمانی حسن بھی اس کام میں اس کے لیے معاون ثابت ہوتا تھا۔ **شاطون** کی

معاونت پر آمادہ ہونے کے بعد ارض مشرق کی سرحدیں جبور کر کے حصار مغرب میں آنے والی پہلی شخصیت **تلبانیخ** ہی کی تھی۔ وہی تھی جس نے کوہ دریانوش کے اسرار کو فاش کرنے کا سارا انظم اپنے ذمے لے لیا تھا۔

شاشین کی سرکوبی کے بعد نہ صرف یہ کہ **شاطون** نے اپنے والد کے قتل کا انتقام لے لیا تھا بلکہ اب وہ بلا شرکت غیرے ارض اردبان کا تنہا مالک تھا۔ اس نے جب قصر **شاطون** کی تعمیر پوری کر لی تو **تلبانیخ** کو اس کے تعاون کے صلے میں اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی۔ وہ **تلبانیخ** کی روحانی قوتوں سے واقف تھا اور چاہتا تھا کہ اسے ہر لمحہ اس کی سرپرستی حاصل رہے۔ لیکن **تلبانیخ** نے قصر **شاطون** میں رہنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اسے ویرانے پسند تھے جہاں اس کی روحانی قوت میں اضافے کے امکانات تھے۔ **شاطون** نے اس کی پسند کی جگہ پر ہر ممکن سہولت فراہم کر دی تھی۔ **تلبانیخ** نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ بلاضرورت اس سے ملنے کی کوشش نہ کرے اور نہ ہی اس کی سرگرمیوں میں کوئی دخل اندازی کرے یہ بھی طے ہوا تھا کہ دونوں اپنے باہمی رشتے کو ہمیشہ راز رکھیں گے اس کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے کی خبر گیری کرتیر ہیں گے۔ اگر دونوں میں سے کوئی کسی مشکل میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس سے نبرد آزمائی میں وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۲)

عزازیل سے **تلبانیخ** کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ **شاطون** سے اپنی جان بچا کر جنگلوں اور پہاڑوں سے پناہ کا طلب گار تھا۔ نہایت پریشانی کے عالم میں جب کوہ دریانوش کے اطراف سرگرداں **عزازیل** کو اس نے دیکھا تھا تو اسے اس کو پہچاننے میں زرا بھی دیر نہیں لگی۔ وہ اپنے بہترین انداز جمال کے ساتھ **عزازیل** کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ اس بے سروسامان اور معمولی شخص سے **شاطون** اتنا خوفزدہ ہے۔ لیکن جلد ہی **عزازیل** کی بوشیدہ قوتوں کا ادراک اسے ہو گیا اور **شاطون** کا خود اسے حق بہ جانب معلوم ہونے لگا۔

پہلی ہی ملاقات میں جب اس نے عزازیل کی جانب محبت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا تو سکوت کو توڑتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''اگر مجھ سے غلطی نہیں ہو رہی ہے تو اس وقت مجھے عزازیل مقدس سے ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے''۔ تلبانیخ وہ پہلی فرد تھی جس نے عزازیل کو عزازیل مقدس کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

''خاطون محترم کی عزت افزائی کے لیے شاشین کا بیٹا شکر گزار ہے''۔

عزازیل نے خود کو شاشین کے بیٹے کی حیثیت سے اس لیے متعارف کرایا تھا کہ اگر وہ اس سے دور رہنا چاہے تو فوراً ہو جائے۔ وہ اسے کسی مغالطے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ تلبانیخ بھی اس کے اس اشارے کو سمجھ گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ عزازیل شاشین اور تبلیث خوب رو کا بیٹا ہے۔ شاید صاحب محترم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ شاطون اعظم کے خوف سے میں اس کا استقبال کرنے سے کترا جاؤں گی تو میں واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ نہ تو میں شاطون سے خوف زدہ ہوں اور نہ اپنے کسی فیصلے کے لیے کسی کی دست نگر۔ میں جس قوت سے متصف ہوں اس سے شاطون کو بھی خوف آتا ہے۔ اس لیے آپ مطمئن رہیں''۔

''عزازیل خاتون محترم کا شکر گذار ہے''۔

''اس وقت آپ تھکے ہوئے ہیں۔ میرے ساتھ چلیے۔ میری رہائش گاہ اگرچہ آپ کے شایان شان نہیں ہے لیکن اس میں جو کمی ہو گیا سے میں اپنے جذبہ عقیدت، محبت اور خدمت گزاری سے پورا کر دوں گی۔ میں آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دوں گی۔

بس دونوں کے درمیان اتنی ہی بات چیت ہوئی تھی۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا تھا کہ عزازیل تلبانیخ کے خلوص اور ہمدردی سے متاثر ہوا تھا۔ اس نے اپنے علم کی روشنی میں تلبانیخ کے خلوص کو پرکھنے کی کوشش بھی کی اور مطمئن ہو کر اس کے ساتھ اس کی رہائش گاہ کی جانب چل دیا تھا۔

(۳)

شاید **عزازیل** کی شخصیت کا سحر تھا کہ اس سے ملنے کے بعد **تلبانیخ** کو کسی خود غرضی یا **شاطون** کے مفادات کے تحفظ کا خیال بالکل نہیں آیا تھا۔ اس کی خواہشات بھی جس کا مظاہرہ اس کے اعضائے جسم کی ایک ایک حرکت سے ہوا کرتا تھا، اس کے دل و دماغ سے دور تھیں۔ اس سے روبرو ہوتے ہی اس نے اپنے روحانی علم کو بروئے کار لا کر یہ جان لیا تھا کہ وہ روحانیت کی انتہائی قوت کا مالک ہے۔ جس کا علم شاید اسے خود بھی نہیں ہے۔ وہ اس کی قربت سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ **عزازیل** کی روحانیت سے کسب فیض کر کے اپنی روحانی قوت میں اضافہ کرنا چاہتی تھی۔ اسے ایک ملاقات کے بعد ہی اس توانائی کا احساس ہو گیا تھا جو **عزازیل** کی صحبت سے حاصل ہو سکتی تھی۔ یہ بات الگ تھی کہ اس کا مردانہ حسن، اس کا مضبوط جسم، اس کی معصومیت اور اس کا خلوص بھی اسے متاثر کر گیا تھا۔ اس کا ارادہ وقتاً فوقتاً ان تمام چیزوں سے استفادہ کرنے کا تھا لیکن ان تمام کاموں کے لیے اسے کوئی جلدی نہیں تھی۔ اس کا پہلا کام **عزازیل** کا اعتماد حاصل کرنا تھا تاکہ کبھی بھی اس کے دل و دماغ میں کوئی شبہ سر نہ ابھارنے پائے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ تھی کہ وہ **شاطون** کی بہن تھی جو **عزازیل** کا دشمن تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ اب بھی **شاطون** کے مفادات کا تحفظ اس کے سپرد تھا۔ اس راز کے فاش ہونے یا اس حقیقت کے سامنے آجانے پر **عزازیل** کا ردعمل کیا ہوگا، اس کا اندازہ وہ نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ کسی بھی طرح کا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے **عزازیل** کی خدمت کو اپنا شعار بنایا۔ اس نے اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھا اور **عزازیل** کے لیے ہر وہ خبر مہیا کرنے کی کوشش کی جس کی ضرورت کا امکان بھی اسے نظر آیا۔ رفتہ رفتہ اس نے یہ بھی محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ **عزازیل** ہی وہ شخص ہو سکتا ہے جسے اپنی ذات کے تعرف کا اختیار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے **عزازیل** کو ہر طرح کی آزادی دی۔ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں اسے ناکامی نہیں ملی۔ **عزازیل** خوش تھا کہ **تلبانیخ** اس کی تمام مادی، جسمانی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کر رہی ہے۔ اور **تلبانیخ** مسرور تھی کہ **عزازیل** کو خوشی فراہم کر کے وہ اپنے اندر توانائی کی لہریں یکجا اور محفوظ کر رہی تھی۔ **عزازیل** اور **تلبانیخ** کا تعلق اگر بے سروسامانی کی مجبوری اور وقتی جوش و جذبہ کے اشتراک سے استوار ہوا تھا لیکن اب اس تعلق نے اپنے لیے کچھ دوسری اور پہلے کے مقابلے میں زیادہ مستحکم بنیادیں تلاش کرتی

تھیں۔

تلبانیخ کے لیے وہ دن ناقابل فراموش تھا جب اس نے پہلی بار **عزازیل** کو، **عزازیل** مقدس کو اپنے جسم کے تصرف پر آمادہ کرلیا تھا۔ یہ کامیابی اسے آسانی سے نہیں ملی تھی۔طویل عرصے تک مسلسل اس نے اس کے لیے کوشش کی تھی۔لیکن جب **عزازیل** تیار ہوگیا تو وہ ساری کوفت بھی دور ہوگئی جو ناکامی کی پیدا کردہ تھی۔ یہ صحبت اس کی توقع سے کہیں زیادہ لذت بخش، مسرت انگیز اور توانائی دینے والی ثابت ہوئی تھی۔ اس نے **عزازیل** کو چند لمحوں کے لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر کردیا تھا،اس پر دیوانگی طاری ہوگئی تھی اور **تلبانیخ** نے ان لمحات کا پورا فائدہ اٹھایا۔اس کے حسن میں جادو ہے وہ جانتی تھی لیکن یہ حسن تقدیس شکن بھی ہے اس کا اندازہ اسے اب ہوا تھا۔ یہ سلسلہ تصرف تادیر چلا تھا۔ **عزازیل** کے چہرے پر تسکین کی غمانیت تھی لیکن **تلبانیخ** کو اب بھی تشنگی کا احساس ہو رہا تھا۔وہ جانتی تھی کہ اس کی ازلی تشنگی ایک دو صحبتوں سے دور ہونے والی نہ تھی۔ پھر بھی وہ خوش اور مطمئن تھی کہ **عزازیل** اب اس کے دام محبت کا اسیر تھا۔اور اب یہ امید کی جاسکتی تھی کہ ایک نہ ایک دن وہ اس کی اس ازلی تشنگی کو سیرات کرنے میں معاونت کے لیے تیار ہو جائے گا۔

دونوں سمجھ رہے تھے کہ وہ دوسرے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دونوں کو لگتا تھا کہ وہ مقابل کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کر رہا ہے لیکن ایک دوسرے کا اطمینان دیکھ کر دونوں یہ سمجھ رہے تھے کہ جو ہو رہا ہے وہ دونوں کے لیے ہی مفید اور اطمینان بخش ہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ آئندہ بھی بے روک ٹوک جاری رہا۔

(۴)

شاطون اعظم نے **عزازیل** کی جاں بخشی کا اعلان کردیا تھا۔

اس اعلان نامے میں چونکانے والی بات تھی کہ **عزازیل** کو **عزازیل مقدس** کی حیثیت سے خطاب کیا گیا تھا جو اشارہ کرتا تھا کہ اس معافی نامے میں کہیں نہ کہیں **تلبانیخ** کا مشورہ بھی شامل ہے۔ کیوں کہ یہ خطاب **تلبانیخ** کی اختراع تھا۔ چوں کہ **عزازیل**

تلبانیخ اور **شاطون** کے باہمی رشتے سے ناواقت تھا اس لیے اس نے اس مماثلت کو محض اتفاق سمجھتے ہوئے نظرانداز کر دیا تھا۔ اور پھر وہ اپنے آپ کو اس خطاب کا مستحق تو سمجھتا ہی تھا۔

سب سے پہلے **عزازیل** کو یہ اطلاع **تلبانیخ** نے ہی دی تھی۔ اس نے اسے مبارک باد دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''**شاطون** کا یہ اقدام یقیناً اس کے اعلیٰ ظرف ہونے کا غماز ہے۔ ورنہ اپنے دشمنوں کے ساتھ اتنی فراخ دلی کا ثبوت کون دیتا ہے''۔

عزازیل کو **تلبانیخ** کا یہ انداز اچھا نہیں لگا تھا۔ پھر بھی وہ بولا۔ ''شکریہ خاتون محترم، **شاطون** نے بالآخر **عزازیل** کی عظمت کو تسلیم کیا۔ **عزازیل** اس کے لیے اس کا شکرگزار ہے''۔

''بہتر ہو کہ عہد حاضر کی دو عظیم شخصیتوں کے درمیان یہ مضاہمت رفاقت میں بدل جائے تاکہ مجموعی طور پر اس کا فائدہ لوگوں کو ملے''۔

''**عزازیل** کو اس کا امکان نہیں آتا''۔ **عزازیل** نے مختصر سا جواب دیا تھا۔

اس گفتگو کے بعد بہ ظاہر دونوں مطمئن نظر آ رہے تھے لیکن بہ باطن وہ ایک دوسرے سے محتاط ہو گئے تھے۔ **عزازیل** کو لگا تھا کہ **تلبانیخ** **شاطون** کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہے لیکن **تلبانیخ** اس سے محبت رکھتی ہے، اس پر اسے شبہ نہیں تھا۔ **تلبانیخ** کو محسوس ہوا کہ **عزازیل** ابھی پوری طرح اس کے حسن کی دلفریبی کی گرفت میں نہیں آیا ہے۔ ابھی اس میں آزادی سے فیصلہ کرنے کا مزاج ہے۔ ایسا فیصلہ بھی جو اس کے خلاف جاتا ہو اس کے لیے ناممکن نہ تھا۔ **تلبانیخ** کو بہر حال **عزازیل** کی حقیقت کا مکمل علم نہ تھا۔ بس زیادہ سے زیادہ ہو یہ کر سکتی تھی کہ ایک نہ ایک دن ہو اس کے اس مزاج کو بدل لے گی۔

(۵)

جاں بخشی کے اعلان کے بعد **عزازیل** آزاد تھا۔ اب وہ **تلبانیخ** کی قیام گاہ سے باہر آنا چاہتا تھا تاکہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے سرگرم ہو سکے۔ اس اسے کوئی خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ اس نے **تلبانیخ** سے رخصت کی اجازت چاہی، جو بے دلی سے سہی لیکن اس

وعدے کے ساتھ اسے مل گئی کہ وہ وقتاً فوقتاً **تلبانیخ** سے ملتا رہے گا۔

وہاں سے چلتے وقت ہی اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ نوشیوں کے درمیان رہ کر اپنی سرگرمیوں کو تیز کرے گا۔ شینانیوں سے اسے نفرت ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس کا رخ ان بستیوں کی جانب تھا جہاں نوشی رہتے تھے۔ اسے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ نوشی نہایت کس پرسی کے عالم میں اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس نے ان کی حالت کو بہتر بنانا اپنی ترجیحات میں شامل کیا اور اس پر بلا تاخیر عمل پیرا ہو گیا۔

اسے یہ بہر حال نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ **شاطون** اور **تلبانیخ** کا باہمی رشتہ کیا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ **تلبانیخ** خود بھی نوشی نہیں شینانی ہے۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ **تلبانیخ** اس کی ہمدرد ہے، محسن ہے اور اب بھی برے وقت میں اس کے کام آسکتی ہے۔ اسے **شاطون** سے ہمدردی کیوں ہے اس مسئلے پر وہ زیادہ غور کرنا نہیں چاہتا تھا کہ یہ **تلبانیخ** کی ذاتی پسند و ناپسند کا معاملہ بھی ہو سکتا تھا اور اسے اپنے طور پر کسی کو پسند یا ناپسند کرنے کا حق بہر طور حاصل تھا۔

(۱)

ابھی تک تلبانیخ کو اس بات کا یقین تھا کہ آج نہیں تو کل وہ عزازیل کو اپنی جنسی خواہش کی تسکین کامل کے لیے ایک نہ ایک دن آمادہ کر لے گی۔ اسے کسی بات کی جلدی نہ تھی۔ لیکن ادھر کچھ عرصے سے عزازیل کا رویہ کچھ بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کی باتوں میں اب وہ خلوص نہیں تھا جو ابتدا میں محسوس ہوا کرتا تھا۔ وہ اس کے سامنے کچھ اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔ شاید اسے شبہ ہو گیا تھا کہ اس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے۔ وہ اس کے بارے میں کتنا جانتا ہے اس کے بارے میں بھی وہ کوئی اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی۔ ان باتوں کا اس کے اعصاب پر برا اثر پڑ رہا تھا۔ اب اپنے منصوبے کی تکمیل میں اسے شبہ ہونے لگا تھا چنانچہ اس نے طے کیا کہ اب محبت سے صرف نظر کرتے ہوئے وہ مصلحت کو بروئے کار لائے گی اور عزازیل کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس کو اس جنسی عمل کے تواتر کے لیے آمادہ کرے گی۔

عزازیل اب اس کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔ چنانچہ اب اسے اس کی جملہ معروضیات کا علم نہیں رہتا تھا۔ کبھی کبھی وہ اس سے ملنے آتا تھا۔ کبھی غرض محض ملاقات ہوتی۔ کبھی اس کی اپنی جنسی تشنگی اسے کھینچ لاتی جو تلبانیخ کی پیاس اور بڑھا دیتی۔ لیکن اب بیشتر اس کے آنے کا سبب اس کی کوئی غرض ہوتی تھی۔ وہ اکثر اپنا کوئی مسئلہ لے کر آتا، لیکن تلبانیخ حتیٰ الامکان اس کے مسائل میں دلچسپی لیتی اور کبھی اشاروں کنایوں سے اور کبھی واضح الفاظ میں اس کی جنسی تسکین کے لیے کچھ وقت نکالنے کی درخواست کرتی۔ عزازیل کو اس کی خواہش کی تکمیل سے عار نہ تھا لیکن وہ بہت مصروف تھا۔ اس کے پاس کام زیادہ تھا اور وقت کم۔

تلبانیخ کا مقصد وقت کی ایک طویل مدت کا متقاضی تھا اور اتنا وقت محض **تلبانیخ** کی تسکین کے لیے وقت کر دینا اسے عملاً ناممکن نظر آتا تھا۔ اس لیے وہ ہمیشہ اس کی باتوں کو ٹال جاتا تھا۔

اور **عزازیل** نے پچھلی کچھ ملاقاتوں سے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اب **تلبانیخ** کا مطالبہ درخواست سے حکم کے لہجے میں بدل رہا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس کے طرف کلام میں کچھ دھمکی کی بو بھی آنے لگی ہے۔ **عزازیل** **تلبانیخ** جیسی طاقت ور فرد سے دشمنی مول لینے کی حالت میں نہ تھا۔ اس لیے وہ اسے انتظار کرنے کو کہتا۔ لیکن اب اس نے **عزازیل** کے چھوٹے بڑے کاموں میں رخنہ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔

ایک دن جب وہ ایک نوشی کو یادِ خداوندی کی اہمیت سمجھا رہا تھا، وہ اچانک وارد ہوگئی۔ وہ بلا وجہ **عزازیل** پر برس پڑی۔ اس کا یہ غصہ محض اس نوشی کو یہ باور کرانے کے لیے تھا کہ وہ جس کی پیروی کر رہا ہے وہ کتنا کمزور ہے۔

''خاتون محتر، **عزازیل** یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ اس وقت خاتون کے غصے کا سبب کیا تھا''۔ **عزازیل** نے بڑے تحمل کے ساتھ اس سے پوچھا اور کہا۔ ''لیکن یہ بات اب **عزازیل** کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے کہ خاتون محتر **عزازیل** سے رفیقانہ رشتہ استوار رکھنے کے حق میں نہیں ہیں۔ **عزازیل** کو آپ جیسی مہربانی خاتون سے فراق کا صدمہ تو ضرور ہوگا لیکن شاید اب یہی بہتر ہوگا کہ اس رختے کو توڑ کر ہم اپنے راستوں پر چلیں''۔

''**عزازیل** میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اب میری قربت سے خوش نہیں ہو۔ تمہاری یہ بیزاری میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ یہ بات میں اچھی طرح واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ یا تو ہم ساتھ رہیں گے، دوست رہیں گے یا پھر نہیں رہیں گے۔ تم سے علحدہ کر میں تمہارا زندہ رہنا برداشت نہیں کر سکتی''۔

'''تو یوں ہی سہی خاتون محترم۔ **عزازیل** کو مرنے سے ڈر نہیں لگتا کیوں کہ اسکا مرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا بہ ظاہر نظر آتا ہے۔ اور نہ محض اس ڈر سے کہ خاتون محترم اس کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں، **عزازیل** اپنے کاموں کو چھوڑ سکتا ہے۔ **عزازیل** کو شکایت یہ ہے کہ خاتون اس کی مجبوری نہیں سمجھتیں۔ جس طرح خاتون کچھ باتیں **عزازیل** سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں اسی طرح **عزازیل** کے بھی اپنے کچھ پوشیدہ راز ہیں۔ اپنے وسائل سے اگر

عزازیل آپ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرسکتا ہے تو خاتون محترم کو بھی اپنے وسائل بردے کار لانے کا حق ہے۔اس لیے یا تو ہمارے درمیان در آئی ان تلخیوں کو ختم ہو جانا چاہیے یا پھر ہم دونوں کے درمیان دشمنی کی داغ بیل پڑ جانی چاہیے۔ **شاطون** جیسا طاقت ور شخص **عزازیل** کا دشمن ہے، یہ آپ جانتی ہیں۔تو ایک طاقت ور دشمن اور سہی''۔

''تمھیں اپنی ذہانت اور صلاحیت کا غرور ہو گیا ہے **عزازیل** اس لیے تم دوسروں کی ذہانت کا احترام بھول گئے ہو۔تم بھول گئے ہو کہ جو تمھارے سامنے ہے وہ ذہانت میں تمھاری ہم پلہ بھی ہے اور تمھاری محسن بھی۔دونوں حیثیتوں سے جو کچھ تم کر رہے ہو وہ ہماری روایات کے خلاف ہے''۔

''خاتون محترم سچ وہ ہوتا ہے۔جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔خاتون جو باتیں **عزازیل** سے کہہ رہی ہیں ان کا تعلق محض خاتون کی زبان سے ہے۔شاید یہ تجربہ خاتون کو بھی ہوا ہو کہ مختلف مصلحتوں کی وجہ سے اکثر زبان سچ کے اظہار سے کترا جاتی ہے۔یہی اس وقت ہو رہا ہے۔ **عزازیل** واضح طور پر دیکھ رہا ہے کہ خاتون محترم کے دل میں جو کچھ ہے وہ ان کی زبان سے ادا نہیں ہو رہا ہے''۔

''اور میرے دل میں کیا ہی **عزازیل** مقدس؟'' **تلبانیخ** کے لہجے میں طنز شامل ہو گیا۔''وہ بھی اب کہہ ہی ڈالو''۔

''آپ کے دل میں **عزازیل** کی محبت کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔آپ کے دل میں **عزازیل** کو پانے، اس پر پوری طرح قبضہ کر لینے کی شدید خواہش ہے۔آپ کا دل اپنی جنسی تسکین چاہتا ہے،آپ کا دل۔۔۔۔۔''۔

''بس **عزازیل**''۔ **تلبانیخ** نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔اسے لگا کہ کہیں سچ کا یہ سلسلہ نا قابل برداشت حقائق تک نہ جا پہنچے۔وہ بولی۔''جب تمھارے لیے یہ سب جان لینا اتنا آسان ہے تو پھر میں کیا کہوں، بہر حال میں اپنی تلخ کلامی کے لیے معافی چاہتی ہوں اور تمھارے علم کے سامنے سر جھکاتی ہوں۔امید ہے تم مجھے معاف کر دو گے''۔

''**عزازیل** کو آپ سے ہمدردی ہے خاتون محترم''۔ **عزازیل** نے کہا۔''یزدان کریم خداوند قادر کی عبادت کے لیے کچھ وقت نکال لیے۔ممکن ہے وہ قادر مطلق خاتون محترم

کی تمناؤں کی تکمیل کے لیے کوئی راستہ نکال دے''۔

اس وقت تو یہ معاملہ جیسے تیسے ٹل گیا۔ لیکن بعد میں یہ سلسلہ کسی نہ کسی بہار نے چھڑ جاتا۔ انجام ہمیشہ وہ ہوتا جو دونوں کے لیے اذیت ناک ہوتا۔ دونوں طرف دلوں میں کدورت کا غبار تھا جس کی صفائی ضروری تھی لیکن جس کی صفائی کا بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔

(۲)

عزازیل جب تک **تلبانیخ** کے ساتھ رہتا تھا تو نہ اسے رہائش اور اس سے متعلقہ مسائل درپیش تھے نہ اس کے کاموں میں کوئی رکاوٹ آتی تھی۔ یہ وقت ضرورت وہ **تلبانیخ** کی تجربہ گاہ آزادی سے استعمال کرسکتا تھا۔ اب اسے ایک رہائش گاہ کی ضرورت تھی اور اس سے بڑھ کر ایک تجربہ گاہ کی جو قوتوں پر سبقت حاصل کرنے کے اس دور میں اسے دوسروں کی قوت کے مساوی برقرار رکھ سکے۔ وہ خود نوشی تھا اس لیے اسے معتبر نکاشی درکار تھے جو اس کی مرضی کے مطابق کام کی رفتار اور معیار بڑھ سکیں۔ یہ کام آسان نہ تھے لیکن **عزازیل** ان کے لیے بہت زیادہ فکر مند نہیں تھا۔

عزازیل کو فکر تھی کہ اب اسے جلد از جلد وہ سہولت فراہم کر لینی چاہیے جس کی مدد سے وہ بھی دوسرے باشندگان اردبان کی طرح مختلف سیاروں پر آ جا سکے۔ عتاب یزدانی نے اس کی قوت پرواز چھین لی تھی لیکن اب وہ زمانہ آگیا تھا جب وہ مصنوعی طور پر اپنی اس صلاحیت کی بازیافت کرسکتا تھا۔ وہ اس لیے قوت پرواز حاصل کرنے کا متمنی نہیں تھا کہ دوسروں کی طرح اسے کسی غیر آباد سیارے کو آباد کر کے اس کا خدا بننے کا شوق تھا بلکہ وہ ان وسائل کو بروئے کار لا کر عرش پر مقیم اپنے قدیم رفیقوں اور ہمدردوں سے ملاقات کی سبیل نکالنا چاہتا تھا جو ابھی اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اور اس کے لیے تجربہ گاہ اور نکاشی معاونین کی سخت ضرورت تھی۔

چنانچہ اس نے طے کیا کہ کچھ عرصے کے لیے اسے روپوش ہو جانا چاہیے اور کسی خفیہ مقام میں اپنے لیے ان وسائل کی فراہمی کے لیے کام کرنے چاہیے۔ رہائش اور تجربہ گاہ

کے لیے اس نے جگہ اس وقت ہی منتخب کر لی تھی جب وہ **تلبانیخ** کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ جگہیں اتفاقاً ہی اس کی نظروں کی زد میں آ گئی تھیں اور اس کے انھیں دیکھتے ہی انھیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کوہ درخان کی دشوار گذار چوٹی پر اس نے آپس میں ملے چند غار دیکھے تھے۔ ان کے سامنے کافی بڑی میدان تھا۔ جو زیادہ اونچا نیچا نہ تھا۔ ذرا سی محنت کے بعد اسے مزید کار آمد بنایا جا سکتا تھا۔ یہ جگہ اس کی خفیہ تجربہ گاہ کے لیے نہایت مناسب تھی۔ اور اسی طرح نوشیوں کے لیے شہر دوتان سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ اس نے دیکھی تھی جہاں شعاع مہر کا زاویہ حیات بخش اور قوتوں کا سر چشمہ تھا۔ یہ جگہ اس نے اپنی رہائش کے لیے منتخب کی تھی۔ اس لیے اب کم از کم جگہ کی تلاش میں اسے وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

وہ اپنے کام میں لگ گیا۔ تعمیر کے لیے معاونین کی تلاش دشوار نہ تھی لیکن دوران تعمیر اس کے مشورے ضروری تھے۔ وہ ہر لمحہ وہاں موجود رہتا۔ وہ روپوش تھا اور کوئی اسے اس وقت تک نہ دیکھ سکتا تھا جب تک وہ خود نہ چاہے۔ اس بیچ وہ چند تکاشیوں کو ورغلا کر ان کو اپنے پاس لے آیا تھا۔ اس نے ان کے مصنوعی ذہن سے وفادار کے پرزے نکال دیے تھے جن سے ان کا سابقہ تعلق منقطع ہو گیا تھا۔ اپنی تجربہ گاہ کی تعمیر کے بعد وہ ان میں اپنی ضرورت کے مطابق اعضا کا اضافہ کرنے والا تھا۔ فی الحال وہ ضروری تعداد میں تکاشیوں پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی رہائش گاہ میں بھی ایک زیر زمین تجربہ گاہ تعمیر کرائی تھی جو اسکی ہنگامی ضرورتوں کو پورا کر سکتی تھی۔

ان کاموں میں اسے مقررہ مدت سے کم وقت لگا۔ وہ خوش تھا اور اپنی کارکردگی سے مطمئن بھی۔ وہ اب کسی کا دست نگر نہ تھا۔ اب اسے کسی کام کو کرنے کے لیے کسی کی اجازت یا مشورے کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ اب وہ نہایت انہماک سے ان کاموں میں لگ گیا جو اس کے منصوبے میں شامل تھے۔ اس کی تجربہ گاہ ضروری ساز و سامان سے مزین تھی اور ہنگامی ضرورت پڑنے پر وہ ضرورت کا ہر سامان مہیا کر لینے پر قادر بھی تھی۔

اب اس نے اپنی توجہ **شاطون** کی قوت کو سمجھنے اور اس کی شکست کے وسائل فراہم کرنے کی جانب مبذول کی۔ یہ بڑا پیچیدہ کام تھا۔ اور اس کام میں صد فی صد کامیابی کا امکان بھی نہ تھا۔ پھر بھی جو اطلاعات اسے مل سکتی تھیں وہ ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ کافی

غوروفکر کے بعداب اس نے اپنی رفیقہ **تلبانیخ** کوبھی اپنے دشمنوں کی صف میں شامل کرلیا تھااورقوت میں وہ اسے بھی **شاطون** کے ہم پلہ ہی سمجھتا تھا۔گوکہ اس کے رفیقانہ تعلقات اس سے ہنوز برقرار تھے۔وہ جانتا تھا کہ **شاطون** سے ٹکراتے وقت **تلبانیخ** اس کا راستہ روک سکتی ہے۔اسے شبہ تھا کہ شاید **تلبانیخ** اور **شاطون** کے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ ہے جس کے تحت وہ ایک دوسرے کے تحفظ کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔لاکھ کوشش کے بعدبھی وہ ان تعلقات کا تجزیہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔لیکن وہ محتاط بہر حال تھا۔

اپنے لیے بنیادی وسائل کی فراہمی اور **شاطون** کی سرگرمیوں پر نظر جمانے کے بعد اب وہ اس پر حملے کے لیے مناسب وقت کا منتظر تھا۔اسے امید تھی کہ اس معرکۂ خیر وشر میں عرش اکبر پر موجود اس کے رفقا اس کا ساتھ دیں گے کیوں کہ خیر اس کی طرف ہے۔یہ تو صرف وہ ہی جانتا تھا کہ خیر کا واضح پہلو اس کی طرف ہونے کے باوجود وہ شر کی نمائندگی کا فرض کس طرح ادا کررہا ہے۔اس کے یہ رفیق قادر مطلق تھے اور نہ عالم الغیب، اس لیے وہ مطمئن تھا کہ اس کا یہ راز بہر حال راز رہے گا۔رفیقان عرش کی مدد سے وہ **شاطون** کوشکست دے سکتا تھا۔جواس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔اس کے لیے وہ اپنی تیاری میں کوئی کسر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

البتہ وہ جانتا تھا کہ اس کی مجموعی زندگی کی مہلت اب زیادہ نہیں ہے۔اسے جوبھی کرنا ہے، اس مہلت کے رہتے کرنا ہے۔وہ جب جب اس کے بارے میں سوچتا مغموم ہو جاتا۔

(۳)

تلبانیخ سے مل کر **عزازیل** ایک باریہ تصدیق کرلینا چاہتا تھا کہ اسکے اور **شاطون** کے درمیان جنگ کی صورت میں وہ کس طرف ہوگی۔یہ تو وہ جانتا ہی تھا کہ واضح طور پراس سے یہ بات کرنا خلاف مصلحت ہے۔پھربھی اس کی گفتگو سے وہ سراغ لگانے کی کوشش کا ارادہ رکھتا تھا۔وہ تمام تلخ باتوں کوفراموش کرکے **تلبانیخ** سے ملنا چاہتا تھا۔اس نے یہ طے کررکھا تھا کہ اگر وہ **شاطون** کے خلاف اس کی مدد کا وعدہ کرلیتی ہے تو وہ عرش

اصغر کے سفر کے بعد پہلا کام اس کی خواہشات جنسی کی تسکین کا سامان کرے گا۔لیکن یہ سب اس طرح نہیں ہوا جیسا وہ سوچ رہا تھا۔

وہ ترگان پہنچا تو وہاں اس کے استقبال کے لیے **تلبانیخ** موجود نہ تھی۔ تکاشیوں نے اسے بتایا کہ وہ غیر معینہ مدت کے لیے باہر گئی ہے۔ مزید استفسار کی کوشش پر ان تکاشیوں نے اپنی حدود کا حوالہ دیا اور **عزازیل** کے کسی سوال کا جواب دینے سے صاف انکار کر رہا۔ **عزازیل** مایوس ہو کر واپس لوٹ رہا تھا کہ اس نے فضا میں **تلبانیخ** کو ایک مصنوعی پرندے کی پشت پر سوار آتے دیکھا۔ اسے دیکھ کر **عزازیل** کا چہرہ کھل اٹھا۔

تلبانیخ نے زمین پر قدم رکھا تو سب سے پہلی نظر **عزازیل** پر پڑی۔ وہ بولی۔ ''شاید آج آج میری دعاؤں کی قبولیت کا دن ہے''۔

''خاتون محترم کی **عزازیل** نوازی کا بندہ ہمیشہ معترف رہا ہے''۔

''یہ سمجھنا تو حماقت ہوگی کہ تم اسے ضرورت کی تکمیل کے لیے یہاں آئے ہو گے جس کے لیے میرا تم سے ملنا ضروری تھا۔ اس لیے یہ سوال دوسری طرح پوچھ لیتی ہوں۔ کیسے آنا ہوا؟''

''افکار حقیر کو ذہانت اعلیٰ کا مشورہ درکار تھا''۔

''تو آؤ اندر آؤ۔ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں''۔ یہ کہتے ہوئے **تلبانیخ** نے **عزازیل** کا ہاتھ پکڑا اور اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ **عزازیل** کو اس حجرے کے آداب معلوم تھے۔ چنانچہ ان روایات کی پیروی کی جن کا کہنا سننا اب ضروری نہ تھا کہ وہ ان سے بخوبی واقف تھا۔ **عزازیل** کے اس عمل کا، روایت کی اس پیروی کا اثر **تلبانیخ** پر نہایت خوش گوار ہوا اور اب وہ توجہ سے **عزازیل** کی باتیں سننے کو تیار تھی۔

عزازیل نے اپنی بات شروع کی۔ ''خاتون محترم **عزازیل** کے حالات سے واقف ہیں۔ وہ **عزازیل** کے ماضی سے بھی اسی طرح واقف ہیں جیسے حال سے۔ وہ یہ سمجھ سکتی ہیں کہ **شاطون** اعظم کے بارے میں **عزازیل** کے جو خیالات ہیں ان کے لیے وہ اسباب ذمہ دار ہیں جو اب ماضی کا حصہ بن چکے ہیں۔ خاتون جانتی ہیں کہ تخت اردبان کا جائز وارث یہ ہیچمدان **عزازیل** ہے۔ یہ اس کی بد قسمتی ہے کہ وہ **شاطون** کے کوف کے سایے میں زندگی گزارنے اور دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہے۔ **عزازیل** جانتا ہے کہ کاتون محترم کسی بھی

پیکار میں اس کی طرف ہوتی ہیں جس طرف حق ہو۔ اگر انھیں **عزازیل** اور **شاطون** کے درمیان ہونے والے پیکار میں حق **عزازیل** کی طرف نظر آرہا ہو تو **عزازیل** خاتون محترم سے تعاون کی درخواست کرتا ہے''۔

''**عزازیل**، میں حق کی حامی ہوں اور **عزازیل** کی رفیق بھی۔ رفاقت کا یہ تعلق متقاضی ہے کہ میں **عزازیل** کی طرفداری کروں۔ میں جانتی ہوں کہ تم حق کے مبلغ ہو چنانچہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس میں تمھیں درخواست کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمھیں میری نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے ہمیشہ اس پیکار میں تمہارا ساتھ دیا ہے۔ تمہاری طرفدار رہی ہوں۔ لیکن میری دلی خواہش ہے کہ سیارۂ اردبان پر امن کی حکمرانی برقرار رہے۔ یہی سبب تھا کہ میں تم سے ملنا چاہتی تھی تاکہ میں تمھیں جنگ کے ارادے سے باز رکھ سکوں''۔

''خاتون محترم برا نہ مانیں۔ یہ درخواست محض تجدید رفاقت کا ایک وسیلہ ہے۔ ورنہ آپ کی نوازشات سے **عزازیل** کو ہمیشہ یہی امید رہتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ ہیں۔ رہی بات جنگ کی تو یہ ایک احتیاطی قدم ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کا نتیجہ جنگ کی مدد سے یہی بر آمد ہو''۔

''**عزازیل** کے اعتراف سے **تلبانیخ** کو خوشی ہوئی''۔ **تلبانیخ** نے اس کے لہجے نقل کرکے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب **عزازیل** اجازت کا طالب ہے''۔

''تم سے یہ پوچھنا تو فضول ہوتا کہ تم ان دنوں کس منصوبے پر کام کر رہے ہو، کیوں کہ تم بتاؤ گے نہیں۔ پھر بھی اگر بتا دیتے تو مجھے اطمینان ہوتا کہ میں نے کس کام میں تعاون کا وعدہ کیا ہے''۔

''**عزازیل** کسی مخصوص منصوبے پر عامل نہیں ہے''۔ **عزازیل** نے کہا۔ ''یہ محض تجدید محبت کی ایک شکل تھی''۔

''میں تم سے کچھ ایسے ہی جواب کی توقع رکھتی تھی۔

جبرئیل سے ملنا اب اس کی پہلی ضرورت تھی۔

تلبانیخ کے اقرار تعاون پر اسے بھروسہ نہیں تھا۔ اس کا اپنا طویل تجربہ شاید تھا کہ وہ اس کے سامنے جو باتیں کرتی ہے بعد میں ان پر عمل ضروری نہیں سمجھتی۔ **عزازیل** اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ کر لیتا تھا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے گی یا نہیں۔ اور اس بار اس کا خیال تھا کہ **تلبانیخ** پر اعتماد اس کے لیے ضرر رساں ثابت ہوگا۔

اس نے عرش اصغر کے سفر کی تیاریاں پوری کر لی تھیں۔ دو تکاشی اس کی سواری بننے کو تیار تھے۔ یہ آسمان اردبان کا اس کا پہلا سفر تھا جو وہ تکاشیوں کی مدد سے کرنے والا تھا۔ لیکن اس کی کامیابی میں اسے شبہ نہیں تھا کہ اب یہ طریقہ کار آزمودہ اور صد فی صد کامیاب ثابت ہو چکا تھا اور باشندگان اردبان عام طور پر اس کا استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن **عزازیل** کا معاملہ بہر حال دوسروں سے مختلف تھا۔

کامیابی کے یقین کے باوجود اس سفر پر روانہ ہوتے وقت اور دوران سفر اس کے دل کی دھڑکنیں قابو سے باہر تھیں۔ اس کا سبب سفر نہ تھا اس کام کی اہمیت تھی جس میں کسی بھی طرح کا رخنہ اس کے منصوبوں پر پانی پھیر سکتا تھا۔ راستے میں ایک اور شینانی اسے دو تکاشیوں کے کندھوں پر سوار ملا تھا۔ اس نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اسے شاید **عزازیل** کی قوت کا اندازہ نہیں تھا۔ بالآخر خوردہ شینانی حیرت سے راستہ چھوڑ کر اپنے سفر پر آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کی حیرانی ایک نوشی کے فضائی سفر کے سبب تھی۔ اس کے بعد کسی اور دشواری کے بغیر **عزازیل** اپنی منزل عرش اصغر پر پہنچ گیا۔

یہاں لوگ **عزازیل** کو اتنی طویل مدت کے بعد دیکھ کر حیران ہوئے۔ **جبرئیل** کو خبر بھیجی گئی اور وہ فوراً عرش اکبر کی سیڑھیاں اتر کر عرش اصغر پر آ گیا۔ **عزازیل** کو دیکھتے ہی وہ اس کے گلے سے لگ گیا۔ دونوں ایک طویل مدت کے بعد ملے تھے۔ ہمدم دیرینہ سے جہان رنگ و بو کے سوز و ساز اور آرزوؤں اور جستجوؤں کے بارے میں پوچھا۔ پھر اچانک وہ **عزازیل** سے بولا۔ ''تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو **عزازیل**''۔

''ہاں **جبرئیل**، **عزازیل** کا جس عالم سے رشتہ استوار ہوا ہے وہاں روز بروز سکون اور اطمینان کا فقدان ہوتا جا رہا ہے۔ پھر بھلا **عزازیل** کی خیریت کا امکان کہاں سے

پیدا ہوسکتا ہے''۔س

''میں تمہاری کوئی مدد کرسکا تو مجھے خوشی ہوگی''۔

''بس اسی امید کے سہارے **عزازیل** نے حاضری کی ہے۔اسے یقین ہے کہ اس کی یہ کاوش رائگاں نہ جائے گی''۔

''یہ کام کی نوعیت پر منحصر ہے **عزازیل**۔تم جانتے ہو کہ خداوند قادر کے احکامات سے ٹکرانے والے اعمال میرے کیا تمام فرشتوں کے حد اختیار سے باہر ہیں''۔

''بس یہی تو ڈر ہے **جبرئیل** کہ تم **عزازیل** کی معاونت سے انکار کرسکتے ہو۔انکار کا یہ خوف اس مسئلے کو زبان حال تک لانے میں مانع ہے''۔

''لیکن میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟''

''تم تو جانتے ہی ہوگے **جبرئیل** کہ **عزازیل** اور **شاطون** کے درمیان کس قسم کا پیکار چل رہا ہے۔تم یہ بھی جانتے ہو کہ حق اور خیر اس پیکار میں **عزازیل** کی طرف ہے اور انصاف کا تقاضا ہے کہ اس پیکار میں **جبرئیل** کو اپنی تمام قوت کے ساتھ **عزازیل** کی حمایت میں آنا چاہیے''۔

''میں نے ہمیشہ تمہاری سرگرمیوں پر نظر رکھی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ نے اب یاد خداوندی اور معافی کی خواستگاری کو اپنا مقصد حیات بنالیا ہے۔اگر تم مان سکو تو میرا یہ مشورہ ہے کہ تم خداوند قدوس سے معافی طلب کرو۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمہارے اعمال صالحہ کے مدنظر تمہیں جرور معاف کردے گا۔اس کے بعد نہ تو میرا تعاون مشکوک رہ جائے گا اور نہ تمہاری کامیابی مشتبہ''۔

''**جبرئیل** تم نے اس وقت **عزازیل** کے دل کی بات کہہ دی ہے۔ **عزازیل** بلاتاخیر خدا سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔اسے اس کے لیے کیا کرنا ہوگا؟''

''میں خدائے قادر کی نوائے مقدسہ کو حدود سماعت میں لانے کی درخواست کرتا ہوں۔تم آداب خداوندی ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت انکسار سے اس کی تسبیح و تمجید کرو اور پھر اپنی معافی کی درخواست پیش کرو''۔

جبرئیل نے خدائے قادر کے حضور **عزازیل** کی خواہش معافی کی خبر کردی اور اگلے ہی لمحے ایک روشنی پھوٹی اس کے ساتھ ہی نوائے خداوندی پردۂ سماعت پر گونجی۔

عزازیل مشعل بردار نیرداں اور شاہ ملائک رہ چکا تھا۔ آداب نیردانی سے اسے بخوبی واقفیت تھی۔ اس نے خدا کے حضور سجدہ کیا۔ اس کی ثنا کو لسان متحرک کی زینت بنایا اور اکرام ونوازشات خداوندی نے اس کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ یہ سن کر **عزازیل** سجدۂ شکر میں گر پڑا۔ پردۂ سماعت پر ایک قہقہہ ابھرا لیکن **عزازیل** کو اس کا مفہوم سمجھ میں ہن آیا۔ اس کے ساتھ ہی پردۂ سماعت سے روشنی رخصت ہوگئی اور وہاں سکوت طاری ہوگیا۔

جبرئیل کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ خداوند قادر نے اسے **عزازیل** کیمد دکرنے کی بالواسطہ اجازت دے دی تھی۔ اب **عزازیل** کے وجود کے ساتھ غضب خداوندی کی نسبت نہ تھی۔ وہ پاک اور بے داغ تھا۔ لیکن اسے حیرت تھی کہ **عزازیل** کا لبادہ سابقہ اب بھی ویسے ہی برقرار ہے۔ حالانکہ اسے تبدیل ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن **عزازیل** کے معاف کر دئے جانے کی خوشی معمولی باتوں کی طرف توجہ دینے میں مانع رہی۔ اس نے آگے بڑھ کر **عزازیل** کو گلے لگایا۔ **جبرئیل** نے محسوس کیا کہ اس کا دل صداقت کی گرمی سے خالی ہے۔ وہ حیران تھا کہ یہ کیسی معافی تھی جو **عزازیل** کو ملی تھی۔ علام الغیوب نیردان سمیع وعلیم کی مصلحتوں پر غور کرنا ملائک کے مزاج کے منافی تھا۔ اس لیے **جبرئیل** نے اس کا صرف اتنا مطلب نکالا کہ اسے **عزازیل** کی مدد کرنے کا اجازت نامہ مل گیا ہے۔

عزازیل اس غیر متوقع صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا وہ بظاہر اس کی کامیابی تھی لیکن اس کامیابی کی خوشی اس کے دل کو چھو نہیں سکی تھی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ مغموم تھا۔ اس نے خود کو یہ کہہ کر سمجھایا کہ خداوند قادر کا حدود سماعت میں آنا اس کے پرانے زخموں کو کرید گیا ہے شاید اسی لیے وہ مغموم ہے۔

''**عزازیل** مرحبا کہ تم کامیاب ہوئے''۔ **جبرئیل** نے کہا۔

''اس کے لیے **عزازیل** اپنے رفیق دیرینہ **جبرئیل** کا شکر گزار ہے''۔

''تو اب مجھے بتاؤ کہ میں کس طرح تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟''

''فی الحال **عزازیل** کو تمہالرے اسم مقدس کی طلب ہے تا کہ وہ سرزمین اردبان پر جب بھی تمہاری ضرورت محسوس کرے اس کا ورد کر کے تم سے مشورے اور گفتگو کا شرف حاصل کر سکے''۔

جبرئیل نے بلا جھجک مطلوبہ اسم مقدس **عزازیل** کو دے دیا۔

اپنے تکاشیوں کے کندھوں پر سوار **عزازیل** اردبان کی جانب مائل پرواز تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سفر سے خوش ہے یا ناخوش، مطمئن ہے یا نا مطمئن۔ وہ کامیاب ہوا ہے یا کامیابی کے کسی فریب میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ یہ فکر اس کی حوصلہ شکنی کر رہی تھی۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالا اور اس خیال کو دور جھٹک کر محض اس بات پر اپنی توجہ مرکوز کی کہ اس **شاطون** کو شکست دینی ہے اور اس کے لیے اسے نا قابل تسخیر قوت **جبرئیل** کا تعاون حاصل ہو چکا ہے۔

یہ الفاظ دیگر **شاطون** پر اس کی جیت اب یقینی ہو چکی تھی۔

(۵)

شاطون سے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کے مراحل ابھی طے ہی ہو رہے تھے کہ ارض اردبان کا رنگ ہی بدلنے لگا تھا۔

اب جو کچھ ہو رہا تھا اس نے معاملے کو نوعیت ہی بدل دی تھی۔ تحفظ کے نشانے بدل گئے تھے۔ دوستی اور دشمنی کے معیار بدل گئے تھے۔ خود غرضی نے وسعت اختیار کر کے عمومی فلاح و بہبود کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اکبر و اصغر، بلند و پست، قریب و دور، وصل و فراق، محبت و نفرت، ہمدردی و حقارت سارے الفاظ اپنے معانی سے شرمندہ ہونے لگے تھے۔

ہوا یہ تھا کہ اچانک ایک دن لوگوں نے سرزمین اردبان کو کانپتے ہوئے محسوس کیا۔ جس سے ہر شخص اندر سے لرز گیا تھا۔ ہر شخص کو اب اپنے ساتھ سارے سیارے کا وجود خطرے میں نظر آنے لگا تھا۔ ہر شخص اپنی بساط بھر وہ کرنے کو آمادہ تھا جو اس سیارے کو تحفظ کی ضمانت فراہم کر سکے۔ ہر شخص اپنے مزاج و وسائل کے مطابق اس پر عمل پیرا بھی ہو چکا تھا۔ ساری نفرتیں، ساری عداوتیں نیست و نابود ہو چکی تھیں۔

شاطون اعظم، خدائے خدایان اردبان سہی لیکن تھا تو اس سیارے کا باشندہ ہی۔ وہ محافظ سیارہ کے ارفع ترین عہدے پر فائز تھا اور اس پر ہی تحفظ کی سب سے زیادہ ذمہ داری عاید ہوتی تھی۔ لوگ دیوانوں کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور دوست دشمن

سب سے مدد مانگ رہے تھے۔ **شاطون** اعظم کو سمجھتے دیر نہ لگی کہ سیارے پر آیا ہوا یہ خطرہ اس کے حد اختیار سے باہر ہے۔ اسے لگا کہ اگر وہ کسی طرح **عزازیل** مقدس کی مدد حاصل کر لے تو دونوں کی مشترکہ قوت اس مسئلہ سے نبرد آزما ہونے کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال سکتی تھی۔ چنانچہ تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر وہ **عزازیل** کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔

ادھر منشائے خداوندی کچھ اور تھی۔ **عزازیل** کی معافی اور اس کی مدد کے پس پشت خدا کی مصلحت کیا تھی یہ تو **جبرئیل** کی سمجھ میں بھی نہیں آسکا تھا۔ اب اس مصلحت کا کچھ کچھ اظہار ہو رہا تھا۔ **عزازیل** کو واقعی مدد کی ضرورت تھی۔ لیکن **شاطون** سے جنگ کے لیے نہیں بلکہ کسی اور ہی میدان میں۔ اور رفتہ رفتہ اس میدان کا راز فاش ہونے والا تھا۔

ارض اردبان میں جو کچھ ہو رہا تھا اسے سب سمجھ رہے تھے۔ انھیں اپنی مستند روایات کے توسط سے یہ علم تھا کہ قرب فنا کے ملائم ہیں۔ زمین کی ایک لرزش نے لوگوں کو ایک لمحے میں ان حقائق سے روبرو کرا دیا تھا۔ انھیں وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں جن سے وہ منحرف ہو چکے تھے۔ ان پر اس غیر متوقع حق کا انکشاف ہوا کہ اب سرزمین اردبان پر کوئی بھی حق پرست، نیک خو، نیک دل اور دیانت دار نہیں بچا ہے کہ اردبان کی تباہی اسی وقت ممکن تھی۔ اب اس بات کے لیے کسی اور ثبوت کی حاجب نہ تھی۔ خداوند قادر نے ایک ہی جھٹکے میں سب کے دلوں میں یہ حقیقت اتار دی تھی۔

اردبان کے تحفظ کے لیے سب متحرک تھے۔ ان میں **شاطون** بھی شامل تھا اور **عزازیل** بھی۔ سب اپنی بساط بھر کوشش بھی کر رہے تھے لیکن کامیابی صرف **عزازیل** کو ملی تھی۔ یہ کامیابی جزوی سہی، عارضی سہی لیکن اس کامیابی نے فوری طور پر اس خطرے کو ٹال ضرور دیا تھا۔ اب آئندہ یہ کب ہوگا، یہ معین نہ تھا۔ لیکن اس عارضی نجاب سے لوگوں نے اطمینان کی سانس لی تھی اور انھیں اس کے آئندہ ہونے کے بارے میں سوچنے کی فرصت نہ تھی۔

جبرئیل

(۱)

سرزمین اردبان پر فنا کا رقص جاری تھا۔

دریا، پہاڑ، جنگل، پانی، پتھر، درخت، زمین اور آسمان سب جیسے ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے۔ یہ ایسی جنگ تھی کہ یہ معلوم کرنا دشوار تھا کہ کون کس کے خلاف لڑ رہا ہے اور کون کس کا حامی ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے مادہ رقص کناں ہو اور روح اپنی موسیقی کے بل پر ان پر حکم چلا رہی ہو۔ ارض اردبان میں رہنے والے جنوں کا بھی یہی حال تھا۔ ہر جن دوسرے کو اس لیے مار رہا تھا کہ کہیں وہ اسے نہ مار دے۔ ترقی یافتہ قوم کے سارے معیار، ساری تہذیبی روایات، ساری تمدنی برکات، سارے افتخار و تکبر کے علائم رو بہ فنا تھے۔ سب ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے۔ پورا ماحول دھول سے اٹا تھا۔ پہاڑوں کے پرخچے اڑ رہے تھے۔ دور کہیں سے موسیقی کی آواز آ رہی تھی۔ جسے سننے والا مبہوت ہو کر موت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ جب خود اپنی بقا کا مسئلہ درپیش ہو تو دوسرے کی خیر گیری کون کرے۔ ہر چیز رو بہ فنا تھی اور بقا صرف موت کے حق میں تھی۔ ہر چیز تباہ ہو رہی تھی۔ اس میں قصر **شاطون**، مسکن **عزازیل**، دارالاقامہ **تلبانیخ** اور معمولی نوشیوں کے غار میں کوئی تفریق نہ تھی۔ ان سب نے یکساں طور پر فنا کو لبیک کہا تھا۔

شاطون کہاں اور کس حال میں ہے **عزازیل** کو نہ اس کا پتہ تھا اور نہ پروا۔ **تلبانیخ** کی بدحواسی قابل دید تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں اپنی جنت اجاڑ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہو۔ لیکن اس کی اس حرکت کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ **عزازیل** کا سارا علم اور تقدس دھرا رہ گیا تھا اور وہ صرف اپنی بقا کے لیے فکر مند تھا اور ایک محفوظ غار

میں پوشیدہ خدا کے غضب کا نمونہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ اس طرح ہل رہے تھے جیسے وہ کوئی دعا مانگ رہا ہو۔

(۲)

عزازیل نے دیکھا کہ اچانک آسمان کی سیاہ تاریکی روشنی میں نہا گئی ہے۔ یہ روشنی رفتہ رفتہ اردبان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جیسی جیسی روشنی قریب آرہی تھی اس کا حجم بڑھتا جارہا تھا۔ کچھ اور قریب آنے پر **عزازیل** نے روشنی کے اندر جھانکا تو اس کی کوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ خدا کی نصرت آگئی تھی۔ یہ فرشتوں کی فوج تھی جو **جبرئیل** کی سرکردگی میں اردبان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ **عزازیل** کو یاد آیا کہ شاید یہ اس کی دعاؤں کے طفیل اس کی مدد کے لیے آرہے ہیں لیکن دوسرے ہی لمحے اسے خیال ہوا کہ جب یہ سیارہ ہی اپنی بقا سے محروم کر دیا گیا ہے اور کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا تو اگر وہ زندہ رہ بھی گیا تو اس کا کیا مصرف۔ اس نے سوچا شاید اس وقت **جبرئیل** خدا کے حکم کی تعمیل میں نکلا ہے، اس کی مدد کے لیے نہیں۔ لیکن اسکے اندر شدید خواہش تھی کہ کاش **جبرئیل** اسے اس مرگ انبوہ کا حصہ بننے سے بچالے۔ وہ مرنے سے ڈرتا نہیں تھا لیکن اسے ایک حقیر کیڑے کی طرح مرنا گوارا نہ تھا۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ کوئی اسے مسل کر ختم کردے۔ وہ ایسے ہی متضاد خیالات میں الجھا تھا کہ اس نے **جبرئیل** کو اپنے سامنے پایا۔ اس کے پیچھے اس کے دوسرے رفقائے کار کے ساتھ **عزازیل** بھی اپنی تمام تر ہیبت ناکیوں کے ساتھ موجود تھا۔

''کیسے ہو **عزازیل**؟'' **جبرئیل** نے پوچھا۔

''**عزازیل** جیسا بھی ہے تمہارے سامنے ہے، لیکن وہ بہت مغموم ہے''۔

جبرئیل نے کہا۔ ''میرے رفیق اس ہنگامۂ لازم، اس قہر خداوندی سے تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ خداوند قادر نے میری درخواست پر تمہاری زندگی بخش دی ہے۔ تم اس کی امان میں ہو۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ خدا تم سے راضی ہے''۔

یہ سلسلہ گفتگو کچھ اور آگے بڑھا لیکن **عزازیل** اس سے خوش نہیں تھا۔ اب یہ سب کچھ اسے غیر ضروری لگ رہا تھا۔ سب باتیں بے معنی تھیں۔ جب **شاطون** نہ ہو، جب شر کی نمائندگی مفقود ہو جائے تو خیر کی دلچسپی کا سامان کہاں سے فراہم ہو۔ لیکن فنا کا جاہ و

جلال اسے اندر تک ہلا گیا تھا۔ اس نے جو دیکھا تھا وہ غضب خداوندی کا ادنیٰ نمونہ تھا۔ اس میں اپنے دل کی بات کہنے کا حوصلہ نہ تھا۔ چنانچہ ڈری سہمی آواز میں اس نے بس اتنا کہا۔
''**عزازیل** قادر مطلق، ابوالعجائب خداوند حیات و کائنات کا شکر گزار ہے کہ وہ اس کے بارے میں سوچتا ہے''۔

''تمہیں اس لیے بھی خوش اور شکر گزار ہونا چاہیے کہ خداوند قادر نے تمہیں فوراً عرش اصغر پر طلب کیا ہے''۔

یہ بات **عزازیل** کے لیے واقعی خوشی کی تھی۔ اس ویران سیارے پر رہائش اور سے دوبارہ آباد کرنے کا تصور اپنے آپ میں ہی بڑا بھیانک تھا۔ وہ خوش ہوا کہ کم از کم وہ فرشتوں کی رفاقت میں تو رہے گا۔

''**عزازیل** خدا کے حضور سجدہ گزار ہے **جبرئیل**۔ آج تم نے واقعی حق رفاقت ادا کر دیا ہے۔ میرے دوست''۔

''یہی نہیں میرے ہمدم دیرینہ''۔ **جبرئیل** نہ سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''ابھی یہ خبر مصدقہ تو نہیں ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ خداوند قادر نے تمہارا سابقہ مرتبہ بحال کرنے کے بارے میں بھی فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن اس پر عمل درآمد تمہارے رویے اور خدا سے آئندہ رشتے پر منحصر ہے''۔

اتنی بہت سی دل خوش کن خبریں ایک ساتھ سن کر **عزازیل** جیسے موت کے اس بھیانک رقص کو بھول گیا جو ابھی چند لمحوں پہلے تک جاری تھا اور جس نے اس کے حواس خبط کر دیا تھا۔ **جبرئیل** نے بتایا کہ اب اس سیارے پر کوئی ذی روح زندہ نہیں بچا ہے۔ جو لوگ زیر زمین خندقوں اور غاروں میں چھپ گئے تھے۔ انھیں فنا سے ہم کنار کرنے کی غرض سے یہ شکر یہاں بھیجا گیا تھا۔ حالانکہ ان کے لیے یہاں بہت کم کام بچا تھا۔ بہر حال اب سب ختم ہو چکا ہے۔ اس سیارے کے باشندوں میں سے سوائے تمہارے اب کوئی زندہ نہیں ہے''۔

عزازیل کے پاس الفاظ نہ تھے کہ وہ اس احسان عظیم پر شکر گزار ہو سکے۔ وہ شرمندہ شرمندہ سرنگوں کھڑا تھا اسی وقت **جبرئیل** نے ایک طلائی پرندہ **عزازیل** کی خدمت میں پیش کیا اور کیا کہ وہ اس پر سوار ہو جائے تا کہ وہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائیں۔

عزازیل بغیر ایک لفظ ادا کیے اس پرندے پر سوار ہو گیا اور جلد ہی وہ سب خلائے بسیط کی نیلاہٹوں کا ایک حصہ بن گئے۔

(۳)

اردبان پر موت کا سناٹا طاری تھا۔

سارا گرد و غبار چھٹ چکا تھا۔ یہاں کا سارا نظام صنعت اب خود پر ماتم کناں تھا۔ صنعت نے فطرت کے سامنے اپنی شکست عظیم تسلیم کر لی تھی۔ چاروں طرف ایک سکوت تھا اور بس۔

ایسے ہی ایک خاموش لمحے می ایک اور سیارہ اپنے راستہ بھٹک کر اردبان سے ٹکرایا اور دونوں کے پرخچے اڑ گئے سیارۂ امن و امان اردبان پر فنا کا آخری نمونہ پیش کیا جا چکا تھا۔

باب سوم

بعد از ان

میزان

(۱)

عزازیل حیران تھا۔

جبرئیل کی سرکردگی میں ان کا قافلہ جس وقت عرش اصغر پر پہنچا تو ہزاروں کی تعداد میں ملائک ان کے استقبال میں کھڑے تھے۔

عزازیل کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ شاید یہ اہتمام اس فاتح لشکر جرار کے استقبال کے لیے کیا گیا ہے جو عاصیان اردبان کی سرکوبی کے بعد واپس آیا ہے۔لیکن اس کا یہ خیال درست نہیں تھا۔ استقبال کرنے والوں کی سربراہی خود **اسرافیل** کے سپرد تھی جو ایک طویل مصروفیت کے بعد فارغ ہوا تھا۔عرش پر ان کے قدم پڑتے ہی وہ نہایت ادب سے **عزازیل** کے سامنے آیا اور بولا۔''ساکنان عرش آپ کا استقبال کرتے ہیں، **عزازیل** محترم''۔

''**عزازیل** ان نوازشات ربانی کا شکر گزار ہے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے''۔

''مجھے حکم ہوا ہے''۔ **اسرافیل** نے کہا۔''کہ آپ کے یہاں پہنچتے ہی آپ کے غسل آفتابی کا انتظام کروں اور اس کے بعد میزان کی جانب آپ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دوں''۔

''حکم الٰہی کے حضور **عزازیل** کا سر تسلیم خم ہے''۔ **عزازیل** کے لہجے میں خدا کے لیے اس کی احترام کی تمام شیرینی گھلی ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی **اسرافیل** نے **عزازیل** کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور **جبرئیل** اپنے لشکر کو منتشر ہونے کا حکم دے کر عرش اکبر کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔ غسل آفتابی کے بعد میزان کے پاس پہنچ کر **اسرافیل** نے **عزازیل** کو اشارہ کیا کہ اس سے آگے بڑھنے کی اسے اجازت نہ تھی۔ **عزازیل** نے میزان مقدس کے طرف دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کی تمام نیکیاں اور تمام برائیاں اس کے جسم کے مختلف اعضا سے نکل نکل کر میزان کے کسی ایک پلے کی طرف دوڑنے لگیں۔ اس عمل میں خاصا وقت لگا۔ میزان کا کبھی ایک پلہ جھک جاتا کبھی دوسرا۔ اب اس کے جسم سے اس کے اعمال کی رفت کا سلسلہ رک سا گیا تھا اور میزان کے دونوں پلے مساوی تھے۔ جیسے ان میں کچھ ہو ہی نہیں۔ **عزازیل** گھبرایا ہوا تھا کہ اس کا آخری عمل اس کے جسم سے باہر آیا۔ یہ وہ خوف خداوندی تھا جو ہمیشہ اس کے نیک و بد اعمال پر حاوی رہتا تھا۔ وہ آہستہ روی سے آگے بڑھا اور میزان کے دائیں پلے پر سوار ہو گیا۔ اب **عزازیل** کے اعمال نیک کا پلہ جھک گیا تھا۔

عزازیل کی جان میں جان آئی۔ چاروں طرف سے مبارک باد مرحبا کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں لیکن یہ آوازیں کہاں سے آرہی تھیں **عزازیل** کی فہم سے بالا تھا۔ البتہ ان میں سے کئی آوازیں اسے شناسا معلوم ہو رہی تھیں۔ ایک لمحے کو اسے لگا جیسے ان آوازوں میں **شاطون اعظم** کی آواز بھی شامل ہے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

اب تمام آوازیں خاموش تھیں۔

نظر کے سامنے ایک پردہ برآمد ہوا۔ **عزازیل** جانتا تھا کہ یہ پردۂ سماعت ہے۔ پردہ روشن ہوا اور اس میں سے خدا قادر کی پر جلال آواز ابھری۔ ''**عزازیل** تم سے تمہارا رب خوش ہوا۔ تم نے آزمائش گاہ اردبان میں اپنے اندر موجود خیر و شر میں توازن برقرار رکھا۔ اس خوشی کے موقع پر تمہارے سارے گناہ، خواہ عرشی ہوں یا ارضی، معاف کیے جاتے ہیں''۔

عزازیل نوائے خداوندی کے سامنے سجدے میں گر گیا۔ کوشش کے باوجود اس کے منھ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''اور اب امید ہے کہ اپنی حیات دائمی میں تم ہمیشہ منشائے ربانی کا احترام کرو گے اور

ان معاصی کبیرہ صغیرہ سے بچو گے جو اس سے پہلے تم سے سرزد ہو چکے ہیں''۔

''**عزازیل** اپنے اعمال سابقہ پر شرمندہ ہے اور خدائے قادر کی بارگاہ میں وعدہ کرتا ہے کہ وہ آئندہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوگا''۔

''**اسرافیل**''۔ صدائے ربانی نے **اسرافیل** کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم **عزازیل** کو عرش اکبر پر واقع مقام احکام ربانی کے پاس پہنچاؤ کہ ہم اسے اپنی نوازشات و اکرام کی بشارت دیں''۔ اس کے ساتھ ہی پردہ سماعت پر سکوت طاری ہو گیا۔

اسرافیل نے نہایت خاموشی سے **عزازیل** کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور دونوں عرش اکبر کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

(۲)

عرش اکبر پر قدم رکھتے ہوئے **عزازیل** پر لرزہ طاری تھا۔ اس کا سبب نہ خوف تھا اور نہ کوئی اور خدشہ اسے وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں جو کبھی یہیں واقع ہوئی تھیں۔ اپنی اس عزت افزائی پر وہ حیران تھا۔ اسے ہمیشہ یہ افسوس رہتا تھا کہ اس کے اعمال بد اس کی نیکیوں پر حاوی رہتے ہیں۔ لیکن آج وہ بہت خوش تھا کہ اس کا یہ خدشہ بے بنیاد ثابت ہوا تھا۔ اور اب تو وہ نوازشات ربانی کا مستحق قرار دیا جا چکا تھا۔ جب کا ثبوت عرش اکبر پر اس کا آنا تھا کہ یہاں ہر کس و ناکس کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ ہزاروں فرشتے یہاں آنے کی حسرت رکھتے تھے لیکن ان کی یہ امید کبھی بر نہ آئی تھی۔

اسرافیل نے اسے مقام احکام ربانی کے سامنے پہنچا دیا تو نوائے ربانی اپنے تمام تر جاہ و جلال کے ساتھ بلند ہوئی۔ ''**عزازیل**، قدرت الٰہیہ تمہارے علم و فضل کی قدر کرتی ہے اور تمہیں ملائک کے مشعل بردار کا عہدہ تفویض کرتی ہے۔ فرشتوں کی رہنمائی کا اہم فریضہ تمہارے سر پد ہوگا۔ تمہاری رہائش عرش اکبر پر ہوگی لیکن تم کہیں بھی آنے جانے کے لیے آزاد ہو گے۔ خواہ وہ عرش اکبر کا کوئی مقام ہو یا عرش اصغر کا یا پھر کوئی سیارہ۔ لیکن تنبیہ کی جاتی ہے کہ عرش اعظم پر حرام ہے۔ اس کی طرف صرف تمہاری احترام سے پر نگاہیں اٹھ سکتی ہیں۔ **اسرافیل** تمہاری مقررہ رہائش گاہ تک تمہاری رہنمائی کرے گا''۔

نوائے ربانی کے سکوت کے ساتھ ہی **عزازیل** کے جسم پر وہ لباس فاخرہ تھا جس کے فراق میں اس نے ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔

جو حجرہ **عزازیل** کو رہنے کے لیے دیا گیا تھا وہ تمام سامان ضروریہ سے آراستہ تھا۔ اسے جنت سے منگا کر عرش اکبر پر ایستادہ کیا گیا تھا۔ **عزازیل** کو یہاں جو مل رہا تھا اس کی توقع اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ یہ اعزاز کم نہ تھا کہ خدائے قادر نے اس کے علم و فضل کا اعتراف کیا تھا جس کے لیے وہ ہزاروں سال سے ترس رہا تھا۔ یہاں اس کے شایان شان اس کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور یہی نہیں اسے تمام فرشتوں پر فوقیت دیتے ہوئے ان کا مشعل بردار مقرر کیا گیا تھا۔

خدائے قادر کے احسانات دیکھ کر وہ اپنے ان گناہوں پر شرمندہ تھا جو کبھی اس سے سرزد ہوئے تھے۔

(۳)

عرش اصغر پر یہ خبر پھیل چکی تھی کہ **عزازیل** پر نوازشات ربانی کا دروازہ کھول دیا گیا ہے، اس کی تمام سابقہ خطائیں معاف کر دی گئی ہیں اور اب اسے فرشتوں کا سردار مقرر کیا گیا ہے۔

فرشتوں میں **عزازیل** سے فوری طور پر ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی اور یہ خواہ شفطری بھی تھی۔ اسے اطلاع پہنچائی گئی کہ تمام فرشتے عرش اصغر پر اس کے منتظر ہیں۔ عرش اصغر وہ حصہ تھا جہاں ہر فرشتے کی امائی تھی چنانچہ **عزازیل** عرش اصغر پر آیا۔ تمام فرشتوں نے باری باری اس کی خدمت میں اپنا احترام پیش کیا اور اس کے تابع اور فرماں بردار رہنے کا یقین دلایا۔

معلم ملائک

(۱)

مشعل بردار کی حیثیت سے **عزازیل** کا تقرر ہونے کے بعد اس کا ذوق عبادت بڑھ گیا تھا۔ یہ منصب نہایت اہم تھا لیکن اس کی مصروفیات برائے نام تھیں۔ زیادہ وقت وہ خالی رہتا اور اس وقت کا بہترین مصرف اس کے لیے خدا کی عبادت تھا۔ فرشتے **عزازیل** کے انداز عبادت گزاری کو رشک سے دیکھتے۔ خدا کو خوش رکھنے کے لیے یہ طریقہ کارگر ہے یہ ہر فرشتہ جانتا تھا۔ اس کا اندازہ انھیں **عزازیل** کے حجرے اور چہرے سے پھوٹتے نور خداوندی سے ہوتا تھا۔ اس کی شخصیت محترم اور اس کا حجرہ قبلۂ ملائک تھا۔ ہر فرشتے کی تمنا ہوتی تھی کہ وہ **عزازیل** کی قربت میں رہے، **عزازیل** کا استغراق اور انہاک دیکھ کر انھیں احساس ہوتا کہ اسے خدا کی دائمی خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔ اسے دیکھ کر وہ کود اپنی عبادتوں کی طرف سے مشکوک رہتے۔ انھیں بار بار خدا کا یہ قول بھی یاد آتا کہ **عزازیل** کی عبادتیں فرشتوں کے مقابلے میں اس لیے افضل ہیں کہ وہ اپنے شر کو شکست دے کر اس مرحلے تک پہنچتا ہے جب کہ فرشتوں میں شر کی عدم موجودگی ان کے لیے اس کام کو آسان بنا دیتی ہے۔

ہر فرشتے کے لیے خداوند قادر کا یہ کھلا حکم تھا کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات **عزازیل** کی صحبت میں گزارے تاکہ اسے روشنی حاصل ہو اور وہ اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری میں زیادہ توجہ، زیادہ انہاک اور زیادہ دلچسپی کا ثبوت دے۔

فرشتوں کو بلا تخصیص رہنمائی کی سہولت فراہم کرنے کے لیے وہ وقت مقررہ پر عرش اصغر پر آتا۔ لیکن فرشتوں کو اپنے فرائض سے فرصت کم ہی ملتی۔ پھر بھی **عزازیل** کے پاس لوگ آتے اور ہدایت حاصل کرتے، اس سے علم و حکمت کی باتیں سنتے اور متاثر ہوتے۔ علم

سے ان کا اپنا دامن خالی تھا۔ ان میں خواہش بیدار ہوئی کہ وہ **عزازیل** کے علم سے بھی استفادہ حاصل کریں۔ لیکن اس کے لیے اجازت خداوندی درکار تھی۔ چنانچہ فرشتوں کا ایک گروہ مقربین خدا کی سرگردگی میں خدا کے حضور درخواست گزار ہوا۔ خدا فرشتوں کی معصومیت اور نیک ولی سے متاثر ہوا اور انھیں اجازت دے دی کہ وہ **عزازیل** سے علم کی دولت حاصل کر سکتے ہیں۔

فرشتے خوش تھے۔ علم سے ان ک دلچسپی پر خداوند قادر کا ردعمل ان کے لیے اطمینان کا باعث تھا۔ وہ علم کے فیوض اور دلکشی سے اس کی طرف کھینچے چلے جا رہے تھے۔ ابھی انھوں نے اس آئینے کا دوسرا رخ نہ دیکھا تھا۔ اس کی باریکیوں کو **عزازیل** سمجھتا تھا۔ وہ دوسرا پہلو خطرناک تھا۔ جو کسی کو بغاوت اور نافرمانی پر اکساتا تھا۔ جو فرد کے اطمینان قلب کا دشمن تھا۔ یہ وہ جانتا تھا کہ علم مسلسل تشنگی کا نام ہے جس کی تسکین کی کوئی سبیل نہیں۔ اس رمز سے فرشتے ابھی ناواقف تھے۔ اس سے واقفیت کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے دل کی کھڑکیاں کھولیں تاکہ وہاں علم کی روشنی پہنچ سکے اور اب خداوند قادر کی اجازت کے بعد یہ کھڑکی کھل گئی تھی۔ اب وہ علم و حکمت کے جہان کل کی سیر کے لیے آزاد تھے۔

(۲)

''ہر فرد پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے خالق کی برتری کو تسلیم کرے، اس کے احسانات کو یاد رکھے اور اس کی تسبیح و تمجید کرے، اس کی نافرمانی سے بچے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ علم کی راہ میں سفر طئے کرتے وقت مختلف قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا جواب تلاش کرنے کو طبیعت بے چین ہوگی۔ لیکن اکثر ان کا تسلی بخش جواب نہیں ملے گا۔ جب ایسا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تمہارے علم کی آخری حد ہے۔ اور جہاں تمہاری حد ختم ہوتی ہے وہاں سے علم خداوندی کا آغاز ہو جاتا ہے اپنی اس ناکامی کے بعد علم کی تشنگی فرد کو کبھی کبھی آگے بڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی ریاضتوں کے بل پر کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ یہ خدا کی نافرمانی کا ایک غیر محسوس آغاز ہوتا ہے۔ وہ علم و حکمت کی اس وادی میں قدم رکھ دیتا ہے جس پر صرف علام کل خالق کائنات کا حق تھا۔ خالق کائنات نے علم کی حدود متعین ضرور کر دی

ہیں لیکن وہ فرد کو اس کی پیش قدمی سے روکتا نہیں۔ اپنے علم کو حدود خداوندی میں لے جانا اپنے آپ کو مزید آزمائشوں میں مبتلا کر دینے کا نام ہے اور چوں کہ ظرف خداوندی کا مقابلہ کم ظرف مخلوق کے بس کی بات نہیں اس لیے وہ اپنے علم کے زعم میں طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا ہونے لگتا ہے۔ اور اکثر اس کی یہی کم ظرفی اس کی نافرمانی کا سبب بن جاتی ہے''۔

عزازیل اب معلم ملائک تھا۔ اس نے فرشتوں کے ایک بڑے ہجوم میں اپنے نئے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ آج وہ علم کا بنیادی تعارف کرا رہا تھا تاکہ اس کے روشن پہلوؤں کے ساتھ تاریک پہلو بھی فرشتوں کے پیش نظر رہیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق حصول علم میں احتیاط سے آگے بڑھیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ تکبیر جو علم کا خطرناک اور لازمی جز ہے اور جو صفات خداوندی میں سے ایک ہے فرشتوں میں بھی اپنی جگہ بنائے۔ **عزازیل** خود اپنے اندر کی دنیا سے بخوبی واقف تھا۔ اس کے اندر وقتاً فوقتاً جو بغاوت کے شعلے بھڑکتے تھے، ان کا سرچشمہ علم ہی تھا۔ لیکن وہ ضبط کرنا جانتا تھا وہ صاحب ظرف تھا۔ اس لیے اپنے علم کو اپنے حق میں مضر بننے سے روک لیتا تھا۔ فرشتے ایسا کر پائیں گے اس میں اسے شبہ تھا۔ چنانچہ وہ فرشتوں کو اس خطرے سے آگاہ کر دینا چاہتا تھا۔ تاکہ کسی طرح کیا و نچ نیچ ہونے پر متعلقہ فرشتہ اپنے اعمال کے لیے خود ذمہ دار ہو۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھول کی میں وہ ایک بار پھر عتاب خداوندی کا سزاوار ٹھہرے۔ اس نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آگے کہا۔

''اے مخلوقات نور، یہ وادئ علم ایک خارزار ہے۔ جو دور سے بڑی دلکش نظر آتی ہے۔ اس میں گمراہی کا اندیشہ قدم قدم پر موجود ہوتا ہے۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ تم خود اپنا اپنا جائزہ لو اور خود فیصلہ کرو کہ تم اس خارزار میں کہاں تک اندر جانے کا حوصلہ رکھتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر کم ظرفی کا الزام آجائے اور تمہارا شمار نافرمانوں میں ہو''۔

عزازیل کا یہ انتباہ فرشتوں کے نازک دلوں پر لرزہ طاری کر رہا تھا۔ اکثر فرشتوں نے علم کے قریب جانے کا ارادہ ترک کر دیا لیکن پھر بھی فرشتوں کی ایک بڑی تعداد تھی جو حصول علم پر آمادہ تھی۔ انھیں خدا کی اجازت اور **عزازیل** کی شخصیت پر پورا اعتماد تھا۔ انھیں لگتا تھا کہ **عزازیل** جیسے زاہد اور متقی کی صحبت میں اگر گمراہی اور نافرمانی کا ذرا امکان ہوتا تو

خدا فرشتوں کو حصول علم کی اجازت ہی نہ دیتا۔

اور خدا نے اس کی اجازت دی تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ علم خطرناک ہے تو اس میں کئی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ وہ عالم الغیب تھا، اس کا علم مستقبل پر بھی محیط تھا۔ آئندہ اس کی قدرت کاملہ کے کیا کرشمے ظہور میں آنے والے ہیں اس کے بارے میں بھلا اس کے علاوہ اور کون جان سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

''**عزازیل** محترم''۔ ایک طالب علم فرشتے **ہاروت** نے **عزازیل** کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائش کی۔ ''فرشتوں کی اکثریت جبر وقدر کے بارے میں آپ کے خیالات سے استفادہ چاہتی ہے کہ یہ مسئلہ اکثر انھیں الجھن میں ڈالتا رہتا ہے''۔

''اے مخلوقات محصوم''۔ **عزازیل** نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مسئلے پر اظہار خیال سے پہلے وضاحت ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ فرد کا احتساب اس کے اختیارات کی بنیاد پر ہوگا۔ جبر وقدر کے تحت سرزد ہونے والے اعمال کے لیے فرد پر ذمہ داری عاید نہیں ہوتی''۔ یہ کہہ کر **عزازیل** نے ایک لمبی سانس لی اور بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تمھاری اصل الجھن کیا ہے۔ تم نے سنا ہے کہ ہر شئے کی ایک تقدیر ہوتی ہے۔ اور تقدیر جبر ہے۔ اشیا کی طرح افراد بھی اس جبر سے آزاد نہیں ہیں۔ تو پھر وہ کو داپنے اعمال کے ذمہ دار کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ ہم اس مسئلے کو غلط زاویے سے دیکھتے ہیں۔ جبر وقدر کے تعلق سے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تقدیر عناصر کے اجزا سے تعلق رکھتی ہے ان کے مرکبات سے نہیں۔ کب کون عنصر کسی دوسرے عنصر سے ملے گا یہ اختیار ہو سکتا ہے لیکن دو مخصوص عناصر کے میل کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا یہ قدر ہے۔ چنانچہ ہر شئے کی تقدیر کو اس کے اجزا کی بنیاد پر دیکھنا چاہیے۔ ایسا کرنے پر اختیار کے رموز منکشف ہوتے ہیں۔ اور اس انکشاف کے بعد یہ مسئلہ نہیں اٹھتا کہ تقدیر کے جبر کے باوجود افراد کا احتساب کس بنیاد پر ہوگا۔ تقدیر کے اجزا کو مرکبات میں بدلنا فرد کا اختیار ہے اور اسے بہرحال اس اختیار کے لیے جواب دہ ہونا ہے''۔

''لیکن عناصر کے اجزا کے مقدر کے بارے میں کیسے جانا جائے''۔ ماروت نے پوچھا۔

''یہ علم ناممکن تو نہیں لیکن خطرناک ضرور ہے۔ اس کا اصل مقام حدود یزدانی میں ہے۔ اس لیے اس کا تجسس گمراہی کا سبب بن سکتا ہے''۔ **عزازیل** نے فرشتوں کو متنبہ کیا اور وہ خود خداوندی سے لرز گئے۔

(۳)

فرشتوں کے حصول علم کا سلسلہ جاری تھا۔ انھوں نے کائنات کے رمز اور وجود خداوندی کے بارے میں جانا۔ انھوں نے زمین و آسمان اور مختلف مظاہر قدرت کے بارے میں جانا۔ معلم ملائک نے انھیں علم کی ایسی ایسی جھلکیاں دکھائیں کہ ان کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ وہ ہر موجود شئے پر کیوں اور کیسے کا سوال قائم کرتے اور **عزازیل** سے اس کا جواب حاصل کرتے۔ **عزازیل** کو ان کے علمی مسائل حل کر کے روحانی تسکین کا احساس ہوتا۔

معلم ملائک، مشعل بردار خداوندی **عزازیل** علم کی ان حدوں کو چھو چکا تھا جو حدود خداداوندی سے ملتی تھیں۔ اس نے ''خدا ہے'' پر غور کرنے کے ساتھ ''خدا کیوں ہے'' پر بھی غور کیا تھا۔ اس نے اس پر بھی غور کیا تھا کہ کیا خدا ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے علم نے اسے جس طرح کے جوابات فراہم کیے تھے ان کی وجہ سے وہ خود ان وسوسوں میں مبتلا ہو چکا تھا جن کے لیے اس نے فرشتوں کو متنبہ کیا تھا۔ اس کے دل میں رفتہ رفتہ غرور اور تکبر نے جگہ بنالی تھی۔ یہ حق تھا کہ علم و معرفت میں خدا کے بعد کوئی اس کا ہم پلہ نہ تھا لیکن اس حق سے اور کتنے حقائق پھوٹنے والے تھے ان کے بارے میں اس کی قوت غور و فکر نے اس کا پورا ساتھ نہیں دیا تھا۔ وہ اکثر سوچتا کہ ایک نہ ایک دن خدا اس کارخانہ قدرت سے سبک دوشی کا فیصلہ کرے گا اور اگر ایسا ہوا تو مقام خداوندی کا استحقاق اس کے علاوہ اور بھلا کسے ہوسکتا تھا۔ وہ جو معلوم ملائک ہے۔ افضل الملائک ہے، ملک الملائک ہے، نور خداوندی کی مشعل برداری کا منصب اسے حاصل ہے۔ ایسا سوچ کر اسے یک گونہ طمانیت کا احساس ضرور ہوتا لیکن وہ خوف سے کانپنے بھی لگتا۔

دوران تعلیم ایک دن اس نے فرشتوں سے پوچھا۔ ''کیا تم **عزازیل** سے محبت

کرتے ہو؟''

''**عزازیل** ہمارا رہبر اور معلم ہے۔اسے سے محبت ہم پر فرض ہے''۔

''کیا تم اس سے غداری اور نافرمانی کے مرتکب ہو سکتے ہو؟''

''ایسا ممکن نہیں''۔

''کیا اس کے کہنے پر تم کچھ بھی کر سکتے ہو؟''

''یقینا''۔

عزازیل ان جوابات سے خوش تھا۔اس نے ایک قدم اور بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
''اگر ایک طرف خدا ہو اور دوسری طرف تمہارا معلم **عزازیل** تو تم کس کی طرف ہو گے؟''

''ہم خدا اور معلم کو ایک ہی طرف دیکھتے ہیں۔ان کو علٰحدہ علٰحدہ دیکھنے کا تصور ہمارے لیے ممکن نہیں ہے''۔

''لیکن اگر ایسا واقعی ہو جائے تو؟''

''تو معلم ملائک ہمیں معاف کریں لیکن اگر ایسی صورت وجود میں آئی تو تمام ملائک خدا کی طرف ہوں گے''۔

عزازیل کو اس جواب سے بڑی مایوسی ہوئی۔لیکن اس نے حوصلہ نہیں چھوڑا۔اس نے سوچا وہ اور محنت کرے گا۔علم کو اور دلکش بنائے گا اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب لوگ میری حمایت میں ہوں گے۔

اور ایک دن اچانک مقبر ذرائع سے اسے یہ خبر ملی کی عنقریب خداوند قدوس ایک نئے عالم کی داغ بیل ڈالنے والا ہے۔اس خبر سے وہ خوش ہوا۔اب اس کی سوچ کا زاویہ بدل گیا تھا۔اسے پورا یقین تھا کہ مخلوقات موجود میں اس عالم نو میں خدا کی خلافت کا بار اٹھانے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔اس نے سوچا کہ خدا کا متبادہ بننے کے مقابلے میں کسی نئی دنیا میں اس کا خلیفہ بننے کی بات زیادہ قابل عمل بھی ہے اور اس میں خدا کی خفگی کا کوئی اندیشہ بھی نہیں ہے۔

منشائے ربانی

(۱)

عزازیل کو عرش اکبر پر جگہ دینے، اسے پہلے مشعل بردار اور پھر معلم ملائک بنانے اور اسے فرشتوں سے افضل مرتبہ عطا کرنے کے پیچھے منشائے خداوندی کیا تھی اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ **عزازیل** وہ فرد تھا جس نے عرش پر اس سے پہلے مختلف ناموں کے ساتھ اور مختلف اوقات میں چھ بار خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تھا۔ آخری بار **اھرمن** کے نام سے شاہ ملائک کی حیثیت کے باوجود اس نے **طارہ نوث** کا احترام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس عدول حکمی سے وہ لعنت و ملامت کا مستحق قرار پایا تھا، یہ بات تو کود **عزازیل** کو بھی یاد تھی۔ لیکن وہ عالم الغیب، دانائے کل خداوند قادر تو **عزازیل** کے ماضی بعید سے اسی طرح واقف تھا جتنا اس کے حال اور مستقبل سے۔ پھر **عزازیل** کا یہ مرتبہ اور فرشتوں کو اس کے حکم کا پابند بنانا۔ اس کے علم کی عظمت کا اعتراف تھا یا اس کے تکبر کو ہوا دے کر آنے والے وقت اور رواقع ہونے والی صورت حال کے لیے زمین تیار کرنا تھا۔ ممکن ہے خیر و شر کو ایک بار پھر یکجا کرنے سے پہلے اسے **عزازیل** میں جمع کر کے اس کی آزمائش کا تجربہ اور اس کے نتائج کا عملی اظہار خدا کی منشا رہی ہو یا پھر محض ایک کھیل جس کا ایک کردار **عزازیل** بھی تھا اور فرشتے اور دوسرے کردار بھی اپنا اپنا کام کر رہے تھے کہ یہی منشائے خداوندی کا تقاضا تھا۔ ممکن ہے اس کھیل کے ہر پہلو سے خود **عزازیل** بھی واقف رہا ہو اور وہ منشائے خداوندی کی تکمیل میں اس کی معاونت کا فرض ادا کر رہا ہو۔ کچھ بھی ہو۔ اندازوں کی کوئی جہت متعین کرنا آسان نہیں ہے اور کسی بھی جہت کے تعین سے برآمد شدہ نتائج پر یقین کا مدار

بنانا اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

خدا کی مرضی جو بھی رہی ہو۔ **جبرئیل**، **میکائیل** اور **عزرائیل** جیسے مقرب فرشتوں اور **اسرافیل** جیسے اہم ذمہ داروں پر فائز فرشتے کے دل میں علم کے حصول کی خواہش کی وساطت سے **عزازیل** کی محبت بھر دینے کے پیچھے بھی خدا کی کوئی مصلحت کارفرما نظر آتی ہے۔ ورنہ ان فرشتوں کو علم کی ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے جتنا علم درکار تھا وہ اس سے اپنی تخلیق کے وقت سے ہی مزین تھا۔ انھیں اپنے فرائض کی تکمیل کے لیے **عزازیل** سے مزید کچھ سیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی ان کے اور دیگر فرشتوں کے دل میں علم کی طلب کا جذبہ ڈال کر شاید خداوند قادر آنے والی نسل کو کوئی ہدایت دینا یا کوئی تنبیہ کرنا چاہتا تھا۔ شاید وہ بتانا چاہتا تھا کہ علم کا حصول ضروری ہے اور اس کے حاصل ہوتے ہی شر اور خیر دونوں کو اپنی راہ عمل ملتی ہے۔ اب یہ حامل علم پر منحصر ہے کہ وہ اس سے شر کو تقویت دیتا ہے یا خیر کو۔ علم سے بیگانہ رہ کر خدا پرستی اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنا شاید خدا کے لیے کوئی اہم بات نہ تھی کہ جہل اور معصومیت کی قربت اسے نافرمانی اور گمراہی سے بچا لیتی ہے لیکن علم سے معرکہ خیر و شر کو بھڑکانے اور اسے نتیجہ خیز ہونے میں مدد ملتی ہے۔ شاید اسی لیے **عزازیل** کو پہلے علم دیا گیا تاکہ وہ اپنے اندر کے خیر و شر سے لڑے۔ پھر معصوم فرشتوں پر اسے آزمایا گیا کہ معصوم اور شر سے عاری مخلوق پر علم کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اور جب ہر طرف سے اطمینان بخش نتائج سامنے آ گئے تب ارادہ کیا گیا اس کھیل کو بڑے پیمانے پر کھیلنے کا۔ ایک نئی مخلوق کو وجود میں لانے سے پہلے خداوند قادر نے اس کا ہر عملی زاویہ دیکھ کر اپنا اطمیان کر لیا تھا۔ اور جب یہ اطمیان میسر آ گیا تو اس نے اگلا مرحلہ طے کرنے کا ارادہ کیا۔

(۲)

اردبان کی تباہی کا حکم جاری کرنے کے بعد ہی خدا نے شاید ایک نئے عالم کی تخلیق کا فیصلہ کر لیا تھا۔ نسل **اهرمن** و **عزازیل** کی آزمائش کا یہ ساتواں اور غالباً آخری مرحلہ تھا۔ شاید اس کی عبادت و ریاضت کے بعد خدا اس کے دل کے غبار کو نمایاں کرنے اور اسے یہ

بتانے کے لیے کہ شر کا حاکم کس دوغلے پن کا شکار ہو جاتا ہے، اس بار یہ اہتمام کچھ نئے انداز میں کرنا چاہتا تھا۔ شاید وہ اپنے عالم الغیب ہونے اور قادر مطلق ہونے کا ایک اور ثبوت دینا ضروری سمجھ رہا تھا۔ شاید وہ **عزازیل** کی اس غلط فہمی کو اس طرح دور کرنا چاہتا تھا کہ فرشتے بھی گواہ رہیں کہ اس نے خدا کی عبادت سے اپنے شر کو اس سے پوشیدہ رکھنے کا طریقہ جان لیا ہے۔ شاید **عزازیل** کو وہ یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ اسے اس کے دل میں ہونے والی ہر اتھل پتھل، ہر ارادے، ہر اقدام، ہر عمل کی خبر ہے۔ اور یہ کہ اسے بہر حال یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے **عزازیل** کا انجام شاید ہمیشہ سے زیادہ ذلت آمیز بنانے کے بارے میں وہ پہلے سے ہی کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔

(۳)

اسباب جو بھی رہے ہوں رفتہ رفتہ یہ بات سب کے سامنے آنے لگی تھی کہ خدا نے اس بار مٹی کے خمیر سے ایک وجود تیار کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس کا ارادہ اسے خلیفہ الارض بنانے کا ہے۔ زمین کے مختلف حصوں کی مٹی کے گارے سے اس کا تیار کیا جانے والا تھا تاکہ اس کے مزاج میں وسعت و ہمہ جہتی ہو۔ اس مٹی میں پانی، ہوا اور آگ کے ساتھ روح کی شمولیت کا بھی اس کا ارادہ تھا۔ وہ معرکہ خیر و شر کے نتیجے میں چوں کہ خیر کی فتح کا خواستگار تھا اس لیے ان کا بھی ایک مساوی تناسب اس میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ اب یہ ارادہ فرشتوں کے سامنے آ چکا تھا کیوں کہ اس تعلق سے مختلف فرشتوں کو احکامات صادر کر کے ان کے کام متعین کر دیے گئے تھے۔

عزازیل کو یہ خبر اپنے شاگردوں سے ملی تھی۔ اس خبر کو سن کر جیسے اس کے دل و دماغ نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ اب نہ تو اس کا جی خدا کی عبادت کے لیے آمادہ ہوتا تھا اور نہ فرشتوں کی تعلیم کی طرف۔ پھر بھی کسی نہ کسی طرح بے دلی سے وہ دونوں کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ البتہ اس میں کمی ضرور آ گئی تھی۔

دراصل یہ خبر **عزازیل** کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر گئی تھی۔ اسے لگا تھا کہ اس نے اپنی عبادتوں سے خدا کو متاثر کر لیا ہے اور جب کبھی وہ عالم نو کی تخلیق کا ارادہ کرے گا تو

اس نئی دنیا کی سربراہی کی ذمہ داری اسے تفویض کی جائے گی۔ لیکن اس اہم مرتبے کے لیے خدا نے ایک بار پھر اسے نااہل قرار دیا تھا۔ خلیفۃ الارض کی حیثیت سے ایک نئی مخلوق کے وجود میں لانے کی خبر اس کے علم کو شر کے راستے پر ڈالنے کے لیے کافی ثابت ہوئی تھی۔ اس اہم وقت میں اس کے اندر موجود خیر نے سوجانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ **عزازیل** غصے میں کھول رہا تھا۔ اسے خدا پر بھی غصہ آرہا تھا اور اس خلیفۃ الارض پر بھی جس نے بہر حال اس کا حق چھین لیا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ ایک بار پھر بساط پر بکھرے کسی مہرے کی طرح خدا نے اس کا استعمال کر لیا ہے اور ایک بار پھر وہی سب کچھ ہونے والا ہے جو اس سے پہلے بھی کئی بار ہو چکا ہے۔

مسجودِ نو

(۱)

آج پھر عرشِ اکبر پر ایک عظیم الشان اجتماع کا اہتمام تھا۔

کروڑوں فرشتے آج اپنے اپنے فرائض منصبی سے آزاد کر دئے تھے تاکہ وہ اس اجتماع میں شرکت کر سکیں۔ آج پھر تخت بلند آراستہ کیا گیا تھا تاکہ اس پر خدائے قادر اپنے جاہ وجلال کے ساتھ جلوہ افروز ہو۔ یہاں موجود ہر فرد کے لیے اس کے مرتبے کے اعتبار سے اس کی نشست کا انتظام تھا۔

ایک اور بلند تخت پر وہ پتلہ رونق افروز تھا جسے خدائے قادر نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا تھا اور جس کی تخلیق میں دنیا کے مختلف خطوں کی مٹی حاصل کر کے اسے پانی سے گوندھا گیا تھا، پھر اس میں آگ کی گرمی اور ہوا کی رفتار کو شامل کر کے روح ڈالنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ آج وہی دن تھا جب اس مٹی کے پتلے میں روح ڈالنے کا عمل ہونے والا تھا اور خدائے قادر چاہتا تھا کہ ہر فرد اس کے اس کارنامے کا چشم دید گواہ ہو۔ چنانچہ سب اس لمحے کے منتظر تھے جب خدا اس پتلے میں روح ڈالے گا اور یہ ہنسنے، بولنے اور چلنے پھرنے لگے گا۔

عزازیل کے لیے یہ سب کچھ نیا نہیں تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار ان مراحل سے گزر چکا تھا اور ہر بار اسے ناکامی، نامرادی اور مایوسی کا ہی سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہی سب سوچ کر وہ بہت ملول تھا۔ آج اسے اس بات کا ملال تھا کہ خدا نے اس کی عبادات کو ایک بار پھر نظر انداز کر دیا ہے لیکن اسے اب بھی ہلکی سی امید تھی۔ اس بار خدا نے بتدریج اس کے مراتب بلند کیے تھے اور اب وہ جس مرتبے پر تھا اور خدا کے بعد ہی تھا۔ اس لیے امید تھی

کہ اس بار جو کچھ ہونے والا ہے اس کا منظر اس کے سابقہ تجربوں سے مختلف ہوگا۔ اسے امید تھی کہ شاید خدا اس خاکی کی عظمتوں کا ذکر کر کے اسے اس سے بلند قرار دئے تا کہ اس کی اس عزت افزائی سے فرشتے بھی واقف ہوں۔ لیکن اس پر امید کے مقابل خوف حاوی تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس بار بھی وہی سب کچھ دہرایا جائے گا۔ وہ خوفزدہ تھا کہ کہیں وہ ایک بار پھر حقارت کا مستحق نہ ٹھہرے اور اسے ڈر تھا کہ اس کی یہ توہین کہیں ایک بار پھر اسے نافرمانی اور بغاوت پر نہ آمادہ کر دے کہ وہ پھر ایک معتوب و مردود زندگی اور جس کے آخری ہونے کا بھی اسے یقین تھا، خدا کے عتاب کے سائے میں بسر کرنے پر مجبور ہو جائے۔

یہی سبب تھا کہ اس موقعے پر فرشتوں کے چہرے جس بشاشت کے عکاس تھے وہ **عزازیل** کے چہرے پر نہ تھی۔ اس کے چہرے پر ملال کے سائے، خوف اور مستقبل قریب میں جو ہونے والا تھا اس کے امکان سے ہی اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا۔

(۲)

عزازیل کی ساری خوش فہمیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔

تخت بلند پر خداوند قادر جلوہ افروز تھا اور دوسرے تخت پر وہ شاہکار قدرت جس کی رونمائی ہونے والی تھی۔ اس مٹی کے پتلے میں روح ڈالی جانے والی تھی۔ جس کے نتیجے میں یہ ایک جیتا جاگتا انسان بن جائے گا۔ خدا نے اس کا نام ''آدم'' تجویز کیا تھا۔ **عزازیل** کو اس وقت وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں جو ہزاروں سال پہلے اس کے تجربے سے گزری تھیں۔ وہ ملول تھا کہ کیا اس بار بھی وہی سب ہوگا۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ خدائے قادر رحیم و کریم ہے، منصف ہے۔ وہ بھلا کیسے میری ریاضت، خدا پرستی عفو و معذرت اور گریہ وزاری کو نظر انداز کر سکتا ہے۔ جس کے بدلے میں ساری عمر بس ایک ہی دعا مانگی کہ خدا میری خطاؤں کو معاف کر دے۔ ایک عرصہ میرے ساتھ اس کا رویہ ہمدردانہ رہا ہے۔ اس نے میری باتوں کو سنا ہے۔ میری دعاؤں کو قبول کیا ہے، مجھے مراتب و مناصب اعلے سے نوازا ہے اور امید ہے کہ اس کی نوازشات کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ کیونکہ ایسا کوئی سبب نظر نہیں

آتا کہ ایک بار پھر غضب خداوندی جوش میں آئے اوراس کا شاہکار ہونا پڑے۔

لیکن میرے دل کی ڈھڑکنیں کیوں اچھل کود کر رہی ہیں۔وہ سوچ رہا تھا۔ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ یہاں جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب میری امیدوں کے خلاف جاے گا ۔میرے اندر یہ سوال بار بار کیوں ابھر کر سامنے آرہا ہے کہ خدانے اس مٹی کے پتلے کو کیوں تخلیق کیا ہے؟ آخر وہ کیا سوچتا ہے؟ شاید ہمیشہ کی طرح کسی جہاں نو میں یہ خدا کی نمائندگی کا فرض انجام دے گا۔لیکن اس کا سب سے زیادہ مستحق تو میں ہوں۔تو ممکن ہے کہ اب کی بار جو کچھ ہونے والا ہو، ہر بار سے مختلف ہو۔خدا قادر ہے۔وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔۔اس کے اختیار میں ہے کہ وہ آدم کو میرا محکوم قرار دے۔وہ اسے میری معاونت کا حکم بھی دے سکتا ہے،وہ اسے میرا رفیق کار بھی بنا سکتا ہے کہ سلطنت خداوندی کے قیام میں یہ میری مدد کرے۔اور اگر خدا مجھ سے واقعی خوش ہے تو اس میں جان ڈال کر اسے یہ حکم دے سکتا ہے کہ یہ میرے سامنے اپنا سر جھکا کر میری برتری،عظمت اور علم کا احترام کرے۔

لیکن میرے اندر جو طوفان برپا ہے وہ تو سراسر اس کی نفی کر رہا ہے۔اندر سے بار بار ایک متنبہ کرنے جیسی آواز آرہی ہے۔ہوشیار **عزازیل**۔یہ تیرے افتخار کا آخری لمحہ ہے ،تیری عظمت،تیرا وقار،تیرا منصب،تیرا مرتبہ،تیری عزت،تیرا احترام چند پلوں کے مہماں ہیں۔لیکن مجھے خدا کے اکرام سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔میرے اندر سے ایسی آواز کیوں آرہی ہے جسے میں سننا نہیں چاہتا۔آخر کیوں یہ آواز میری اذیت کا سبب بن رہی ہے۔**عزازیل** نے نہایت سختی سے اپنے اندر ابھرنے والی اس آواز کو کچل دیا۔

لیکن اس کے فورا بعد اس خیال کا زاویہ بدل گیا۔کیا خدا قادر نے مجھے جن اعزازات واکرامات سے نوازا ہے،میں واقعی اس کا مستحق تھا۔اور اگر مجھے واقعی اس کا استحقاق تھا تو بار بار مجھے ایسا کیوں لگتا تھا میری عبادات ہی میری ریاکاریوں کا ایک حصہ ہیں۔کیا واقعی میں خدا کی محبت سے سرشار تھا یا یہ بھی کسی عظیم طلب کا ایک حصہ تھا۔مجھے ہمیشہ اس بات کا احساس ہوتا رہا کہ میں خدا کی عبادت اس کی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہیں،اس کی خوشنودی کے لیے نہیں بلکہ اپنی خود غرضی کے دباو میں کر رہا ہوں۔لیکن جب جب یہ خیال مجھے آیا میں اسے جھٹک کر نئے سرے سے خدا کی یاد میں ،اس کی عبادت میں ڈوب جانے کی کوشش کی۔میں نے اکثر اپنے دل میں خوف خدا کو

محسوس کیا اور اکثر میرا دل ریا کاری سے خالی رہا لیکن یہہ بھی سچ ہے کہ ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا تھا۔

کہیں خدا کی نوازشات محض اس کا کرم تو نہیں ہے۔ ممکن ہے ہنگامی طور پر وہ میری کسی بات سے خوش ہو گیا ہو اور میرے مراتب بلند کر دیے گئے ہوں اور آئندہ کے لیے خدا کا ارادہ کچھ اور ہو، جس میں میرا کوئی کردار ہی نہ ہو یا میرا کردار منفی ہو۔ یہ بار بار منفی انداز میں آخر کیوں سوچ نے لگتا ہوں۔ یہاں ایسا بہت کچھ ہے کہ جس کی بنیاد پر مجھے مثبت انداز میں سوچنا چاہیے۔ لیکن پتہ نہیں یہ کیسی بے چینی ہے، یہ کیسی سوچ ہے جو بار بار وہی کرتی ہے جو میری اذیت کا سبب ہو۔

(۳)

خداوند قدوس کی آواز عرصہ لامحدود کی وسعتوں میں موجود ہر فرد کی سماعت سے ٹکرائی ۔'' یہ آدم ہے۔ میں اس کی تخلیق اس لیے کی ہے کہ روئے زمین پر یہ میرا خلیفہ بنے۔ میں نے اسے اپنی تمام مخلوق میں سب سے افضل قرار دیا ہے۔ میرا یہ خلیفۃ الارض اشرف المخلوقات ہو گا''۔

عزازیل کی منفی سوچ کر ہر زاویہ جیسے اب سامنے آنے لگا تھا۔ وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ اب اس بات میں شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ اس بار بھی جو کچھ ہونے والا ہے وہ وہی ہو گا جو اس سے پہلے ہوا تھا۔

اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اس نے بولنے کی جسارت کی۔'' خدائے قادر، اس آدم خاکی میں ایسی کیا خوبی ہے جس نے اسے اشرف المخلوقات قرار دئے جانے کا استحقاق دیا''۔

'' یہ میری صناعی کا شاہکار ہے''۔

انکار

(۱)

عزازیل کے دل میں طوفان برپا تھا۔ وہ ناکامی ونامرادی کے درپے کھڑا تھا۔ اس کے دل میں ہزاروں سوال گردش کر رہے تھے جنھیں وہ خدا سے پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی زبان گنگ ہوگئی تھی ۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں اس کی کوئی بات، اس کا کوئی قدم غضب الٰہی کو پھر نہ متحرک کر دے۔ وہ ایک بار پھر معتوب زندگی جنے کو تیار نہ تھا۔ اس لیے وہ خاموش ہی رہنا چاہتا تھا کہ دیکھیں خدا کی قدرت کاملہ کا کون سا کرشمہ ظہور میں آنے والا ہے۔

دوسری طرف اس کے دل میں آدم کے لیے نفرت تھی، حقارت تھی، حسد تھا۔ اسے آدم پر غصہ آ رہا تھا۔ جس نے اس کی دنیائے عظمت کو تہس نہس کر دیا تھا۔ غصہ اسے خدا پر بھی آ رہا تھا لیکن خدا سے ان تمام جذبات کی وابستگی کا حوصلہ اس میں نہ تھا جو آدم کے لیے اس کے دل میں موجزن تھے۔ حالانکہ دونوں کے درمیان ایسا کوئی فرق بھی نہ تھا۔ اس نے خاموش رہنے کا تہیہ کیا اور دل کی گہرائیوں سے دعا کی کہ وہ اپنے اس فیصلے پر ثابت قدم رہے۔ لیکن اگلی ہی سوچ نے اس کی دعا کو اس کے چہرے پر دے مارا۔ اس کے دل نے کہا کہ دعا کے لیے جس ایمان وایقان کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت تیرا دل ان سے بہرحال خالی ہے۔

وہ پریشان تھا، خوفزدہ تھا، ڈرا سہما تھا، دل متضاد خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کہ خدائے جابر وقاہر کی واز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

’’یہ **آدم** ہے۔ یہ تمام ملائک سے **افضل** ہے۔ یہ میری تمام سابقہ مخلوقات سے برتر ہے۔ تم سب پر اس کا احترام فرض ہے۔ تم واقف ہو کہ خدا کی نافرمانی کا کیا انجام ہوتا ہے‘‘۔

’’بے شک‘‘۔ **ھاروت** نے کہا۔ ’’گستاخی کی معافی چاہتا ہوں لیکن اپنے ایمان کی

تکمیل اور اپنے تجسس کی تسکین کے لیے یہ سوال پوچھنا میرے لیے نہایت ضروری ہے کہ تیرے سابقہ تجربوں نے جس خلفشار، شر کی جس برتری، خون خرابے کی جس بلندی کا معیار متعین کیا ہے وہ ہمیشہ فرشتوں کی عبادتوں سے برتر سمجھا گیا ہے۔ کیا ہم سے کوئی قصور ہوا، کیا ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی، کیا ہماری عبادتوں میں کوئی کمی رہ گئی، کیا ہمارا عمل اطمینان بخش نہیں رہا جو اس وجود خاکی کو تخلیق کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ میں ایک بار پھر اپنے اس سوال کے لیے معذرت خواہ ہوں''۔

''دراصل تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں''۔ خداوند علیم وخبیر نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے **آدم** کے پتلے میں جان ڈال دی۔ روح سے مزین ہوتے ہی **آدم** کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اس نے خداوند قادر کو سجدہ کیا اور موجود مجمع پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ **عزازیل** کی نشست سب سے نمایاں تھی۔ اس لیے پہلی نظر اسی پر پڑی۔ **آدم** کے بدن پر لرزہ طاری ہوا لیکن فوراً ہی اس نے اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا۔ اس کے بعد اس نے آہستہ آہستہ ہر طرف دیکھا۔ اوپر نظر اٹھائی اور نہایت احترام سے عرش اعظم کو دیکھا۔ نیچے پھیلی زمین دیکھی اور ایک بار پھر سجدے میں گر گیا۔

اپنے اوپر آدم کی نظر پڑتے ہی **عزازیل** بھی کانپ گیا تھا۔ اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اب اس کی فکر کا تعلق اس کے علم سے اور اس کے علم کا تعلق اس کی زبان سے رفتہ رفتہ منقطع ہوتا جا رہا ہے۔ ایک لمحے کو اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ علم وفکر کا خلا کتنا سکون بخش ہے لیکن یہ سکون دیر پا نہ تھا۔ واقعات ابھی ظہور میں آ رہے تھے اور اسے ان واقعات پر اپنی نظریں مرکوز رکھنی تھیں۔

نوائے خداوندی پھر لوگوں کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''یہ **آدم** ہے۔ میں نے اسے علم کی دولت دی ہے۔ جو صفات خداوندی کا ایک جز ہے۔ میں نے اسے فیصلے کی قوت دی ہے تاکہ یہ خیر وشر میں تمیز کر سکے''۔

''تو قادر مطلق ہے۔ وہی فرشتہ جس نے سوال کیا تھا یہ کہتے ہوئے خدا کے حضور سجدے میں گر گیا۔

خدا نے **آدم** کی طرف مخاطب ہو کر اس سے مختلف چیزوں کے بارے میں پوچھا۔

''یہ کیا ہے **آدم**؟''

''آسمان''۔

''اور یہ؟''

''سورج''۔

''اسے کیا کہتے ہیں؟''

''یہ چاند ہے''۔

غرض آدم نے مختلف اسماء کے نام بتا کر اپنی علمیت کا اظہار کیا۔ اس نے زمین، درخت، پہاڑ، دریا، پرند کے نام بھی بتائے اور جنت، دوزخ اور عرش کے ساکنان بے نام کو بھی نام دیے۔ فرشتے اس سے ناواقف تھے۔ خدا نے نہ تو انھیں کبھی ان اسماء کے بارے میں بتایا تھا اور نہ کبھی انھوں نے اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔ وہ آدم کے علم سے متاثر ہوئے۔

لیکن عزازیل آدم کے علم سے متاثر نہ تھا۔ اس نے بھی فرشتوں کی طرح علم کے اس مظاہرے کو دیکھا تھا۔ اس کے اندر سے فوراً یہ آواز آئی۔ بس یہ علم ہے جس جس کے سبب اسے مجھ پر فوقیت دے دی گئی ہے۔ یہ تو صریح ناانصافی ہے۔ میرا علم بہرحال آدم سے بہتر ہے''۔

آدم کا اظہار علم اس کے کل علم کا ایک جز تھا جسے عزازیل نے اس کے علم کل سے تعبیر کیا۔ دراصل اس کی بوکھلاہٹ ہی اس کا سبب تھی ورنہ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ سکتا تھا۔ اپنے اندر کی اس ہلچل کے باوجود وہ ابھی تک اپنے ارادے کے مطابق خاموش رہنے میں کامیاب تھا۔

(۲)

واقعات کے ظہور کا سلسلہ اپنے اختتام کی طرف جاری تھا کہ اصل منظر سامنے آ گیا۔

قادر مطلق کی پرجلال آواز گونجی۔ ''چنانچہ ثابت ہوا کہ آدم تم سب میں افضل ہے۔ تم میں کوئی نہیں جو اس کی کسی خوبی کا مقابلہ کر سکے۔ اس لیے میں حکم دیتا ہوں کہ عرش اکبر پر

موجود ہر فرد خواہ وہ کسی شعبہ تخلیق سے تعلق رکھتا ہو، آدم کو سجدہ کرے''۔

فرشتے حیران تھے۔ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ خدا نے اپنے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہو۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ بہر حال حکم خداوندی ہے جس کا بجالانا ان پر فرض ہے۔ وہ کھڑے ہو گئے اور سامنے موجود آدم کو سجدہ کیا اور عملی طور پر اسے اپنا مسجود اور اپنے سے برتر و افضل تسلیم کیا۔ لیکن **عزازیل** اپنی نشست پر اب بھی اس طرح تمکنت سے بیٹھا تھا جیسے وہ جامد ہو چکا ہو یا جیسے وہ حکم خداوندی کی تعمیل سے مستثنیٰ ہو۔

خداوند قادر کا جاہ و جلال جوش پر تھا **عزازیل** کو بیٹھے دیکھ کر اس نے اسے براہ راست مخاطب کیا۔ ''تم حکم خداوندی کی تعمیل کے دائرے سے باہر نہیں ہو **عزازیل**۔ اٹھو اور اپنا فرض پورا کرو''۔

''لیکن خدائے کریم یہ مٹی کی تخلیق ہے اور **عزازیل** آگ کی۔ آگ کو بہر حال مٹی پر افضلیت حاصل ہے''۔

''**عزازیل** عناصر کے پیچ و خم میں الجھے بغیر حکم کی تعمیل کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا نام نافرمانوں میں شامل ہو''۔

''لیکن **آدم** نے اپنے علم کا جو مظاہرہ کیا ہے تو جانتا ہے کہ وہ **عزازیل** کے علم سے کم تر ہے''۔

''میں یقینا جانتا ہوں''۔ خداوند علیم و خبیر نے کہا۔ ''لیکن افسوس کہ تم نہیں جانتے''۔

''مٹی کے اس پتلے نے ابھی مرحلہ تخلیق طے کیا ہے۔ اس سے بھلا کیسے انکار ممکن ہے کہ **عزازیل** کی عبادات **آدم** پر بھاری ہیں''۔

''ہاں **عزازیل** ۔لیکن اس وقت تمہارا علم، تمہاری عبادت سب تمہارے تکبر کی رہنمائی میں کام کر رہے ہیں اور تکبر ان صفات خداوندی میں سے ہے جن کی پیروی کی اجازت بندگان خدا کو نہیں دی گئی ہے''۔

''**عزازیل** موحد ہے۔ اس نے ازل سے آج تک صرف معبود برحق کو سجدہ کیا ہے۔ حکم خداوندی کے باوجود وہ غیر از خدا کسی اور کو سجدہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے''۔

''**عزازیل** ، تمہاری اس گستاخی کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اگر تم فوراً **آدم** کو سجدہ

کرو"۔

"پھر کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ **عزازیل** کو آدم کے مساوی درجہ اور اس کی خدمت سے استثنیٰ کی سند عطا کی جائے"۔

"**عزازیل** تمہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم قہر خداوندی کو دعوت دے رہے ہو اور منشائے خداوندی کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں **عزازیل** کے مرتبے سے گرا کر ابلیس قرار دیا جائے"۔

عزازیل کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ خداوند ہر و جابر کا یہ لہجہ اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ اسے لگا کہ اس نے خاموش رہنے کا جو تہیہ کیا تھا اس پر ثابت قدم نہیں رہ سکا۔ اسے کوشش بہر حال جاری رکھنی چاہیے۔ وہ اپنے لہجے میں نرمی اور شیرینی گھول کر خدا سے کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ یکا یک اس کی نظر آدم پر پڑی جواب بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ غصے سے کھول گیا۔ اس کے ذہن و دل کا تعلق ایک بار پھر اس کی زبان سے ٹوٹ گیا۔

خداوند قاہر کی غضب ناک آواز **عزازیل** کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

بالآخر **عزازیل** نے زبان کھولی۔ "**عزازیل** **آدم** کو سجدہ نہیں کرے گا"۔

اختتامیہ

(۱)

عزازیل کے انکار سے عرش اکبر پر زلزلہ آ گیا تھا۔ زمین لرز گئی تھی۔ اور ملائک ایک مخلوق کی اپنے خالق کے حکم سے سرتابی کو حیرت اور خوف سے دیکھ رہے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس صورت حال کے بعد آگے کا منظر کیا ہوگا۔ ابھی لوگوں کے تحیر کا ماحول برقرار تھا کہ خدائے رحمن ورحیم کی آواز گونجی۔ لہجے کی شائستگی میں غصے کا شائبہ تک نہ تھا اور آواز نرم تھی۔ ''بالآخر تم نے منشائے خداوندی کے مقابل اپنی ہی مرضی کی برتری کو قبول کر لیا۔ یہ تمہارے اختیار میں تھا۔ اس نافرمانی کے بعد تم اب مہر خداوندی کے مستحق نہیں رہے۔ چنانچہ اس لمحے سے تمہیں تمام مناصب و مراتب، تمام احترامات و واجبات، تمام اعزازات و افتخارات سے معزول کیا جاتا ہے۔ تم مردود اور راندۂ درگاہ ٹھہرے۔ آج کے بعد سے لوگ تمہیں **ابلیس** کے نام سے یاد کیا کریں گے''۔

عزازیل سر جھکائے خداوند قادر کے سامنے کھڑا تھا لیکن اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ بولا۔ ''بالآخر وہ ہوا جو مقسوم ازل تھا۔ جبر کو اختیار اور اختیار کو جبر ثابت کر دینا تیری قدرت کاملہ کا حصہ ہے۔ جو ہوا اس کا ہی مجھے خوف تھا۔ اور اب ہوا ہے تو یہ ذمہ کسی نہ کسی کے سر تو جائے گی ہی۔ میرا سر تسلیم خم ہے اور میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ لیکن تیری تسبیح و تمجید کا یہ نتیجہ نکلے گا اس کا مجھے اندازہ نہ تھا''۔

''اپنے علم و ذہانت کی بے راہ روی کے ثمر کو اپنی عبادات کے سر نہ ڈالو **ابلیس**''۔ خدائے قاہر و جابر نے کہا۔ ''ہاں مجھے تمہاری عبادات کی کثرت کا بھی اعتراف ہے۔ تم ان کے بدلے اپنی بخشش کو چھوڑ کر جو چاہو مانگ سکتے ہو''۔

''اگر تو عزازیل کو اس کی عبادتوں کا صلہ دے سکتا ہے تو عزازیل کی چار خواہشیں پوری کرنے کا وعدہ کر''۔ عزازیل نے اپنے حساب سے ایک زبردست چال چلی تھی۔

''تم قادر مطلق، عالم الغیب اور علیم و خبیر خدا ے کائنات کی عنایات کے دامن کو اتنا محدود نہ سمجھو۔ تم جو کچھ مانگنا چاہتے ہو بے خوف کہو''۔

''تو پہلی بات یہ ہے کہ جب تک آدم اور اولاد آدم میں سے ایک بھی زندہ رہے اس وقت تک عزازیل بھی زندہ رہے۔ دوسرے عزازیل کو قدرت دے کہ وہ بلا تخصیص ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو گمراہ کر سکے۔ تیسری عزازیل کی اولادیں کثرت سے ہوں تاکہ وہ اس کے کام میں معاون ہوں اور چوتھی بات یہ کہ عزازیل اپنا حلیہ اور اپنی شکل حسب مرضی تبدیل کرنے پر قادر ہو''۔

''تمہارے یہ چاروں مطالبات دو ترمیمات کے ساتھ منظور کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ آدم یا کسی آدم زاد کو اس کی مرضی کے خلاف زبردستی گمراہ نہیں کر سکو گے اور دوسرے آئندہ اپنے لیے عزازیل اسم کا استعمال نہیں کرو گے''۔

فرشتوں کو اندازہ تھا کہ عزازیل کے انکار کے بعد وہ غضب خداوندی کا مظاہرہ دیکھیں گے۔ لیکن وہ نرم اور شائستہ لہجے میں ابلیس سے مخاطب تھا۔ یہ حیرت و استعجاب کا مقام تھا لیکن خدا کی منشا جاننے کی تمنا کسی میں نہ تھی۔

اس انعقاد کے لیے خوشی کا جو ماحول تعمیر ہوا تھا وہ اس کے اختتام کے ساتھ غم و اندوہ میں بدل چکا تھا۔ فرشتے اپنے معلم کے لیے ملول تھے۔ انھیں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بے سہارا ہو گئے ہوں۔

ابلیس نے آدم نے پر ایک نظر ڈالی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس کے وجود میں شامل ہو جائے لیکن اسے پوری طرح کامیابی نہ ملی۔ البتہ وہ اپنے علم کا ایک جز اس کے اندر پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد خدا نے آدم کو جنت میں لے جانے کا حکم دیا۔ لیکن اس سے پہلے اس کے اعضاے جسم کی تلاشی لی گئی اور وہ گمراہ کن علم جو ابلیس نے آدم کے اندر داخل کر دیا تھا نکال لیا گیا تھا۔ خدا نے حکم دیا کہ چونکہ اب یہ علم آدم کے لمس سے مقدس ہو چکا ہے اس لیے اسے جنت کے ہی کسی گوشے میں دفن کر دیا جائے۔

جنت میں جانے سے پہلے خدا نے آدم کو تنبیہ کیا کہ وہ جنت کی ہر چیز کو اپنے تصرف

میں لا سکتا ہے لیکن اسے اس نخل ممنوعہ کے قریب نہیں جانا چاہیے جو **ابلیس** کے ناجائز علم کے مدفن پر اگ آیا تھا۔ اسے تاکید کی گئی کہ اس پودے کا پھل اس کے لیے ضرر رساں ہے۔

آدم نے شجر ممنوعہ سے دور رہنے کا وعدہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔

(۲)

جنت کا ماحول بڑا خوش گوار اور مناظر بڑے دلفریب تھے۔ خوبصورت عمارتیں تھیں۔ انواع و اقسام کے درخت تھے جن میں پھل اور میوہ جات لدے ہوئے تھے۔ چشمے اور نہریں تھیں جن میں لطیف ولذیز مشروبات بہ رہے تھے۔ **آدم** ان چیزوں کو دیکھ کر خوش تھا اور خدا کی نعمتوں پر اس کا سجدہ بجا لاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اسے یہاں پر تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے خدا سے دعا کی اور اس کے پاکیزہ وجود سے اس کے لیے ایک رفیق کی پیدائش ہوئی، جسے **حوّا** کا نام دیا گیا۔ ایک ہمدم کے ملنے سے آدم بہت خوش تھا۔ وہ دونوں جنت میں ادھر ادھر گھومتے۔ البتہ اس بات کا لحاظ رکھتے کہ اس شجر ممنوعہ سے دور رہیں تاکہ انھیں خدا کی خوشنودی حاصل رہے۔

جب جب **آدم** اس شجر ممنوعہ سے دور رہنے اور اس کا پھل چکھنے سے گریز کی بات کرتا **حوّا** کو عجیب لگتا۔ وہ آدم سے اس کا سبب پوچھتی۔ آدم کو خود اس کا راز معلوم نہ تھا تو بھلا وہ **حوّا** کو کیا بتاتا۔ بس وہ یہ کہہ کر **حوّا** کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا کہ خدا کی مرضی یہی ہے۔ لیکن اس سے **حوّا** کے تجسس کی تسکین نہ ہوتی تھی۔

اس بیچ مختلف حکمتوں سے **ابلیس** بھی جنت میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا یہاں موجود رہنا بہت دیر تک چھپا نہیں رہے گا۔ اس لیے وہ آدم اور **حوّا** کی نگرانی کر کے ان کی گمراہی کے امکانات تلاش کرنے لگا۔ اسے لگا کہ **آدم** کے مقابلے میں **حوّا** کو گمراہ کرنا نسبتاً آسان ہوگا۔ چنانچہ ایسے وقت جب **حوّا** تنہا تھی وہ ایک خدا ترس بزرگ کی شکل میں اس کے پاس گیا اور اسے کہا کہ وہ چاہے تو خدا کو ناراض کیے بغیر بھی اس

شجر ممنوعہ کا پھل کھا سکتی ہے اور آدم کو بھی اس پر آمادہ کر سکتی ہے۔ دراصل اس کی ممانعت کے پیچھے خدا کی ایک مصلحت ہے اور کچھ نہیں۔ اس پھل کے کھانے والے کے درجات بلند ہو جاتے ہیں۔ اس کا علم بڑھ جاتا ہے اور وہ خداشناسی کا فن سیکھ جاتا ہے۔ یہ سن کر حوّا کا اشتیاق اور بڑھ گیا۔ ابلیس اپنا کام کر کے جنت سے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد کا سارا کام حوّا نے انجام دیا۔

(۳)

پہلے حوّا نے اور پھر آدم نے اس پھ کو چکھا جس کی ممانعت کی گئی تھی۔ جیسے ہی وہ پھل ان کے جسم کا حصہ بنا انھیں اپنے عریاں ہونے کا احساس ہوا۔ دونوں شرمندہ تھے، خوفزدہ تھے کہ وہ یہ کیا کر بیٹھے۔ انھوں نے جلدی جلدی انجیر کے پتوں سے اپنے اعضائے جنسی چھپائے اور سہمے سہمے اپنے ممولات میں مصروف ہو گئے۔

اب انھیں جنت اچھی نہیں لگ رہیت ھی۔ وہ جانتے تھے کہ خدا ان سے ناراض ہو چکا ہے۔ وہ سزا کے منتظر تھے اور بالآخر وہ وقت آ گیا جب انھیں سزا دی جانے والی تھی۔ خدا کے حضور آدم نے معافی مانگی لیکن خدا نے انھیں اس ارض وسیع وعریض میں جا کر رہنے کا حکم دیا جو اس نے خاص طور پر آدم اور اولادِ آدم کے لیے مخصوص کر دی تھی۔ آدم کو زمین پر جانے کا غم نہ تھا لیکن وہ خدا کی خفگی سے مغموم تھا۔ سزا کا مطلب تھا کہ اس کی خطا ناقابل معافی تھی۔ بہر حال وہ ہمہ وقت توبہ واستغفار میں ہی مصروف رہنے لگا تا کہ خدا کا رحم اس پر نازل ہو اور اسے اطمینان طلب نصیب ہو۔

لیکن اس پھل کو کھانے کے بعد وہ اپنے اندر اور بھی تبدیلیاں محسوس کر رہا تھا۔ جیسے اب اس کے اندر کے خیر پر شر حاوی ہو گیا ہو۔ جیسے اس کے اندر کوئی اور بھی ہے جو اسے عبادت خداوندی سے روکتا ہے اور اس میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ راز نہیں آ رہا تھا۔

زمین پر آنے کے بعد ایک طویل مدت تک آدم اور حوّا ایک دوسرے کو تلاش کرتے رہے کہ ان دونوں کو الگ الگ مقامات پر اتارا گیا تھا۔ بالآخر دونوں پھر سے ملے تو

ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ **ابلیس** نے بھی اب زمین ہوا پنا مستقر بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ اب قیامت تک یہی اس کا میدان عمل تھا۔ اور اس میدان عمل میں آئندہ آدم کو خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے خیر کی اور **ابلیس** کو شر کی نمائندگی کرنی تھی۔ اور خدا کی حکمت کاملہ کا ظہور خیر وشر کے انہی علائم کے ذریعہ باہم پیکار کی شکل میں نمودار ہونے والا تھا۔ اور اس پیکار کا سلسلہ قیامت تک جاری رہنے والا تھا۔

یہ سلسلہ ماضی سے حال تک جاری رہا ہے اور ابھی اسے حال سے مستقبل کا سفر طے کرنا ہے۔